از دفتر امامیہ مشن - حسین آباد - لکھنؤ

امامیہ مشن لکھنؤ کا دوسرا تبلیغی رسالہ

14621
no 9092

قرآن کی حقیقت

دوسرا ایڈیشن

مطبوعہ سرفراز قومی پریس وکٹوریہ اسٹریٹ لکھنؤ

قیمت ۶؍ اپریل ۱۹۳۳ء محصولڈاک ۱؍

يا قومنا اجيبوا داعي الله

ائے قوم جواب دے خدا کی طرف سے پکارنے والے کا

برادران ایمانی۔ سلام علیکم

امامیہ مشن کی دینی و تبلیغی خدمات آپ حضرات کی نظروں سے پوشیدہ نہیں ہیں، اس سلسلہ مین جیسا کہ اس سے قبل بھی عرض کیا جا چکا ہے جبتک کہ ہر ہر فرد قوم تھوڑی تھوڑی قربانی نہ کرے اس کام کو تیزی کیساتھ آگے نہین بڑھایا جاسکتا۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی ہے کہ شیعیان امیرالمومنین ع کثیر تعداد مین اس تبلیغی ادارہ کے ممبر بن کر ہماری تقویت کرین۔ چندہ سالانہ کم سے کم ایک روپیہ ہے اور جو مومنین اس سے زائد مرحمت فرما دین وہ اُنکی توفیق پر منحصر ہے اور ممبران کیلئے یہ رعایت ہوگی کہ آئندہ جو رسالے شایع ہون گے وہ اُنکو نصف قیمت پر دیئے جائینگے

فارم ممبری ہمسے طلب فرمائیے اور خود بھی ممبر بنیئے اور دیگر مومنین کو بھی ممبر بنا کر عنداللہ و عندالرسول ماجور ہوجیئے

خادم ملت

سید ابن حسین عفی عنہ

آنریری سکریٹری امامیہ مشن

حسین آباد۔ لکھنؤ

فہرست مضامین

PMO 14621

نمبر شمار	مضمون	صفحہ	نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	مقدمہ کتاب	۳	۱۰	قرآن کریم کی نسبت فریقین کا زاویۂ نگاہ	۵۴
۲	قرآنمجید کی عظمت	۶	۱۱	جمع قرآن کی کیفیت	۵۵
۳	قرآن مسلمانونکا سب سے بڑا سرمایہ ہے	۸	۱۲	جمع قرآن کے بعد	۵۹
۴	وحی سماوی کیطرف منسوب شدہ کتابون پر نظر۔ توریت کی سرگذشت اور اُسکے مضامین	۱۰	۱۳	اختلاف مصاحف	۶۵
۵	انجیل اور اُسکی موجودہ حیثیت	۲۵	۱۴	مصحف حضرت علیؓ در ترتیب نزول	۷۲
۶	وید مقدس کی اصلیت	۳۴	۱۵	آیات قرآن مین صحابہ کے اختلافات	۱۰۷
۷	قرآن کریم کے امتیازی خصوصیات	۴۴	۱۶	قرآن مین کتابت کی غلطیان	۱۳۸
۸	قرآن کریم آپ اپنا معیار ہے	۴۹	۱۷	قرآن مین تغیر و تبدیل اور بالفاظ دیگر تحریف	۱۴۹
۹	سند حجیت یا میزان اعتبار	۵۲	۱۸	قرآن کا کثیر حصہ تلف	۱۵۱
			۱۹	نسخ تلاوت کی مختصر بحث	۱۵۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۲۰	مذکورہ سابق تصریحات کے نتائج	۱۶۳
۲۱	قرآن مجید کے متعلق شیعی نقطۂ نظر تحریف قرآن کے روایات پر نظر	۱۶۷۰
۲۲	علمابین اتفاق و اختلاف	۱۸۷
۲۳	قائلین تحریف کا ایمان بالقرآن	۱۹۳
۲۴	قرآن مجید کے حجیت و اعتبار کی قطعی دلیل	۱۹۵
	ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے اقوال	
۲۵	تمام بحث کا آخری نتیجہ یا میرا عقیدہ	۲۰۹

دوسرا ایڈیشن

شہید انسانیت

21 / 146 مرم

مصنفہ

عالیجناب سید العلماء مولانا مولوی سید علی نقی صاحب
قبلہ مجتہد العصر مدظلہ

امامیہ مشن لکھنؤ کی دوسری دینی خدمت
کا دوسرا دور

اِس رسالہ کا دوسرا ایڈیشن پیش کرتے ہوے ہم پروردگار عالم کا شکریہ نہین ادا کر سکتے کہ اُس نے اس قلیل عرصہ مین اس دینی و تبلیغی مشن کی طرف افراد قوم کو توجہ و امداد کی توفیق مرحمت فرما کر ہماری کوششوں کو کس طرح بار آور کیا۔ بحمد اللہ ابتک اِس آٹھ ماہ کی قلیل عرصہ میں چھ رسالہ شایع کیئے جا چکے ہین اور اس کے علاوہ قاتلان حسین کا اب تیسرا ایڈیشن بھی اِسی کے ساتھ شایع ہو رہا ہے نیز ساتوان رسالہ بھی تیاری پر ہے۔

اس مرتبہ اس رسالہ مین بعض مطالب کا اضافہ بھی حضرت سید العلماء مدظلہ نے فرما دیا ہے اور ہم امید کرتے ہین کہ تمام اہل انصاف ایک مرتبہ پھر کامل اطمینان و سکون کے ساتھ اسکا بغور مطالعہ کر کے صحیح راے قائم کر سکین گے۔

خادم ملت سید ابن حسین زیدی جنرل سکریٹری

14621

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ علی سید المرسلین و آلہ الطاہرین

موجودہ زمانہ مین اسلام پر مخالفین کے حملے ہو رہے ہین اور وہ چارون طرف سے دشمنون مین گھرا ہوا ہے عیسائی مشن جو دنیا کے طول و عرض مین پھیلے ہوے ہین اور آریہ مشن جو خاص ہندوستان کے ہر بڑے اور چھوٹے مقام پر موجود ہین اُنکے کارخانہ سے روزانہ نئے نئے اعتراضات ڈھل کر نکلتے ہین جنکا اگر جواب نہ دیا جاے تو کمزور اور بے ثبات عقیدہ کے اشخاص یقیناً اُنکی زد پر آکر اسلامی عقائد سے ہاتھ دھو بیٹھین گے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی مقدس ذات پر ایسے ایسے شرمناک الزامات لگا کر دنیا کو باور کرانے کی کوشش کی جاتی ہے جو حق و صداقت کے لئے سم قاتل کا حکم رکھتے ہین -

موقع کی نزاکت کو دیکھتے ہوے ضرورت اسکی تھی کہ تمام مسلمان ہم آہنگ ہو کر مخالفین کے مقابلہ کے لئے ایک متحد محاذ جنگ پیش کرتے اور

قوے اور ذرائع کو مجتمع حیثیت سے اسلامی مشترکہ اصول کی حمایت مین صرف کرتے ہوئے دشمنان اسلام کے حملون کا دفعیہ کرتے لیکن افسوس ہی کہ بعض افراد جو خود مسلمانون کے اندر افتراق و اختلاف کی خلیج کو وسیع کرنا اپنے لئے بڑا کارنامہ سمجھتے ہین ہر روز ایسے ایسے مسائل معرض بحث مین لانا ضروری سمجھتے ہین جنسے خواہ مخواہ اسلامی شیرازہ منتشر اور اتحاد اسلامی کی دیوار مین رخنہ پیدا ہو۔

کون نہین جانتا کہ اسلام کے لئے کچھ اصول اساسی ہیں کہ انھی کے اعتقاد کا مجموعہ اسلام کہا جاتا ہے اور انہین تمام فرق اسلامیہ باوجود اپنے آپس کے اختلافات کے برابر سے شریک ہین۔

الوہیت، رسالت، کتاب منزل یعنی قرآن مجید اور روز قیامت یعنی معاد فرق اسلامیہ جو اپنے کو مسلمان کہتے ہین وہ اسی معنے سے ہے کہ مذکورہ بالا اشیاء پر وہ ایمان لائے ہوئے ہین اور اسکے بعد کسی جماعت کو دوسری جماعت کے مقابلہ مین یہ حق نہین ہے کہ وہ اسکے ایمان کا انہین سے کسی شے کے متعلق انکار کرے۔

اور پھر جبکہ ایمان و اعتقاد امر باطنی ہے جسکے ادراک تک حواس ظاہریہ کا دسترس نہین اور انکار کرنیوالا عالم الضمائر و الخفیات (رازہائے قلبی و اسرار نہانی پر مطلع) نہین ہے اور ایمان رکھنے والا اعلان کے ساتھ اپنے ایمان کا برملا ذکر رہا ہے اور اسکے افعال و اعمال بھی اسکے عقیدہ کے ترجمان ہین۔

اسکے بعد یہ افتراق انگیزی اور اختلاف ریزی نہین تو کیا ہے کہ کسی جماعت
پر اسکے اعلان و اظہار کے برخلاف یہ الزام عائد کیا جائے کہ تم قرآن پر ایمان نہین
رکھتے جس کا قدرتی جواب اُس جماعت کی طرف سے یہ ہو کہ تم خود ایمان نہین رکھتے
نتیجہ ظاہر ہے کہ آپس کی لڑائی غیرون کی ہنسائی، فریق ثالث یعنی ایک آریہ
یا عیسائی کو یہ راے قائم کرنے کا حق حاصل ہو گیا کہ نہین سہی کسی کا بھی ایمان قرآن
پر مسلم حیثیت نہین رکھتا اور اس طرح خود قرآن کے مسلّمہ وقعت و اعتبار مین
شبہہ پیدا کرنے کا موقع نکل آیا۔

کیا اسلام کی دوستی اور اُس سے ہمدردی کا تقاضا یہی ہے؟ ہرگز نہین
اگر اسلام سے سچی محبت ہو تو لازم یہ ہے کہ اس قسم کے سوالات کو اٹھا کر افتراق
کا مظاہرہ نہ ہونے دو۔ بلکہ تمام فرق اسلامیہ کے اس متفقہ عقیدہ کو کہ قرآن مجید
وحی سماوی اور کتاب ربانی منزل من اللہ رسول کا اعجاز ہے،
اس مین کوئی شک و شبہہ کی گنجایش نہین اور نہ اس مین ذرہ
برابر باطل کا شائبہ ہے اور اس پر ایمان و اعتقاد کامل تمام مسلمانو
ن کے اسلام کا جزو اعظم ہے" اسی متفقہ و متحدہ صورت پر باقی رہنے دو۔
مین نے نہ اس لئے قلم اٹھایا ہے کہ کسی کے ایمان بالقرآن کی نفی کرون اور
اس کو کوئی مفید خدمت اسلام کی سمجھتا ہون بلکہ میرا مقصد یہ ہے کہ مسئلہ تحریف
قرآن پر جو اس قسم کے مباحث کا سنگ بنیاد ہے تاریخ و حدیث و درایت کی رو سے

مین اعتقادی نظر ڈالتے ہوئے فریقین کے مذہبی روایات اور تاریخی مندرجات کے روسے قرآن مجید کے اعتبار و استناد پر ایک مکمل تبصرہ کرون۔

قرآن مجید کی عظمت

پیغمبر اسلام کی نبوت کا زندہ ثبوت

گذر گئے انبیائے سلف اور مردہ ہو گئین اُنکی نبوتین اسلئے کہ اُنکی بنیاد ایسے دلائل پر تھی جو وقتی طور پر انصاف کی شرط سے منکرین کے سر تسلیم کو خم کرانیکے لئے کافی تھے لیکن اُن مین دوام و استمرار کا جوہر نہ تھا اُنمین اتنا دم نہ تھا کہ وہ زمانہ کی سیلابی رفتار مین اپنے وجود کو محفوظ رکھ سکین۔ وہ ایک خاص وقت اور جزو زمانہ کے پابند تھے جو اُس وقت کے منقضی ہونے پر خود بھی رخصت ہو گئے اور اپنے بعد کے لئے صرف افسانہ کی صورت پر اپنا تذکرہ چھوڑ گئے جونس بیس برس تک اگر مشاہدہ کرنے والی جماعت کی موجودگی کے باعث تواتر کی حیثیت رکھنے کی وجہ سے ناقابل انکار بھی تھا تو اس سے زیادہ زمانہ گذرنے کے بعد اور خصوصاً دوسری تیسری صدی مین تو وہ مشکوک اور مشتبہ حکایات کا مجموعہ ہو گیا جنمین ناقلین کی کثرت بیونت اور بھول چوک کی وجہ سے پیدا شدہ اختلافات نے اور زیادہ کمزوری پیدا کر کے اُن کو توہم پرستیون کا کرشمہ سمجھنے کے کافی وجوہ پیدا کر دیئے۔

مسلمانون کے لئے قرآن مجید مین اگر ابراہیم و موسیٰ و عیسیٰ وغیرہ دیگر انبیاء کی نبوت اور انکے بعض معجزات کا تذکرہ نہ موجود ہوتا تو کبھی اُن کو تسلیم کرنے کے وجوہ پائے نہ جاتے اور اسی لئے وہ اشخاص جو اپنی اپنی قوم مین بڑے مرتبون پر فائز کہے جاتے ہین جیسے زردشت اور گشتاسپ اور ہندوستان کے قدیم راہنما اُنکی نبوت کبھی وہم و احتمال کے دائرہ سے نکلکر اعتقادی حدود مین داخل نہین ہوسکتی اسلئے کہ اُنکی مقدسانہ زندگی کے متعلق جتنے بھی حیرت انگیز کرامات کی شہرت اُنکی جماعت کے اندر ہو لیکن وہ کسی غیر جانبدار شخص کو جو اُس جماعت سے تعلق نہ رکھتا ہو اُنکی طرف جذب کرنے کی صلاحیت نہین رکھتی کیونکہ اُس شہرت مین خوش عقیدگی اور سادہ لوحی اور توہم پرستی کا عنصر بہت حد تک کارفرما سمجھا جاسکتا ہے۔

کرین نیاز فتحپوری معجزات حضرت عیسیٰؑ کا انکار، ہم اُنکے دعوائے اسلام کی بناء پر یہ کہکر تو چپ کردینگے کہ تم مسلمان ہو اور قرآن مجید مین اِن معجزات کا تذکرہ موجود ہے۔ لہذا تمھین انکار کا حق نہین چنانچہ چھ برس پہلے مین نے ایک مبسوط مقالہ "اعجاز عیسوی" کے عنوان سے "نگار" کے مذکورہ بالا خیالات ہی کی رد مین قلمبند کیا تھا جو الواعظ کی متعدد اشاعتون مین مسلسل طور پر شائع ہوا لیکن اُس مضمون مین جہانتک دیکھا جائے یہی ہے کہ قرآنی ادلہ سے صاف طور پر اُن معجزات کا ثبوت پیش کرکے مدیر "نگار" نے اُسکے خود ساختہ تاویلات کرکے جو دھاندلی کرنا چاہی ہے اُسکا پردہ فاش

کیا گیا ہے۔ وہ مضمون مسکت ضرور ہے اور اسی بنا "نگار" کو پھر اُس پر قلم اُٹھانے کی جرأت نہین ہوئی لیکن یہ اُسی وقت تک کہ جب تک بدقسمتی سے مدیرنگار اپنے تئین مسلمان کہے جاتے ہین اور اگر وہ ذرا جرأت کرکے یہ کہدین کہ مین قرآن کی آیتون کو نہین مانتا تو پھر اُنکی فتح اور ہماری شکست، ہم پھر معجزات عیسیٰ کا کوئی ثبوت اُنکے سامنے پیش نہین کرسکتے اسلیئے کہ حربہ ہمارے ہاتھ مین ایک ہی تھا جس کو اُنھون نے ہم سے چھین لیا۔ پیغمبر اسلام حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی خصوصیت ہے کہ حضرت کی نبوت دنیا کے آخری دور تک ہر وقت زندہ ہے، حضرت کی نبوت و رسالت کی بنیاد صرف اُن وقتی معجزات پر نھی جو اُس زمانہ مین موجود ہونے والے اشخاص ہی کے سر تسلیم کو خم کرا سکتے بلکہ حضرت کے دعوے کی بنیاد اس قرآن مجید پر ہے جو ساڑھے تیرہ سو برس گذرنے کے بعد بھی اِس وقت زندہ ہے اور دنیا کو حق و صداقت کی طرف دعوت دے رہا ہے۔

قرآن مسلمانون کا سب سے بڑا سرمایہ ہے

دنیا تہی دست ہے جبکہ اُس کے پاس قرآن کے مثل کوئی کتاب نہین لیکن مسلمان قرآن کی بدولت اُس خزانہ عامرہ کے مالک ہین جسکی نظیر صفحہ روزگار مین مل نہین سکتی،

مصرع
تباہ ہوجائین سابقہ اسلامی سلطنتین اور مٹ جائے اُنکا جاہ و جلال لیکن

جب تک مسلمانون کے ہاتھوںمین قرآن موجود ہے وہ دنیا کے اقوام مین سربلندی کے مالک ہین حقانیت و صداقت کا علم اُنکے سر پر لہراتا اور غیبی طاقت و جبروت کا پرچم اُنکے ساتھ ہوا مین اُڑ رہا ہے۔

قرآن جس طرح اپنی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے مشرکین عرب کے لئے معجزہ تھا جو اس قلمرو مین خداوندی کے مدعی تھے اُسی طرح وہ اپنے حقائق و اسرار کی حیثیت سے بھی معجزہ ہے۔

اُسکی آیتون مین وہ بیش بہا جوہر نظر آتے ہیں جو بڑے سے بڑے فلسفی کو اپنی حقانیت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کرتے ہین۔ اُس میں علوم و فنون کے وہ اسرار و دقائق مندرج ملتے ہین جنکو سالہا سال کی تحقیقات کے بعد معلوم کرنا سرمایہ افتخار سمجھا گیا ہے۔

اس مین ایسے اکتشافات کا بھی پتہ ہے جنسے دنیا قرآنمجید نازل ہونے کے تیرہ سو برس بعد تک بھی بے خبر رہی اور اب تحقیق و جستجو کے ہاتھون نے پردہ ہٹا کر اُن حقایق کو سامنے پیش کر دیا ہے۔

پیش کرین مسلمان اور شوق سے پیش کرین اس قرآن کو تمام مذاہب عالم کے سامنے، بلند کرین آواز اور اس طرح کہ دنیا کی وسیع فضا گونج اُٹھے اور پھر دعوت دین کہ تمام فلاسفۂ دنیا، تمام علوم و فنون کے ماہر، تمام تمدن و اخلاق علم النفس و سیاست و اجتماع اور مذاہب و ادیان کے راہنما اسکی ایک ایک سطر ایک ایک

جملہ بلکہ ایک ایک حرف کو دیکھین اور درس لین پڑھین اور ہمین غور کرین یقیناً غلط فریبی کے پردے جو آنکھون پر پڑے ہین اٹھ جائین گے قرآن کی حقانیت آفتاب نیمروز بنکر چمکیگی اور دنیا کو اپنا حلقہ بگوش بنالے گی۔ یہ ہے قرآن کہ جو مسلمانون کا سب سے بڑا سرمایہ اور اسلام کا خزانۂ عامرہ ہے۔

وحی آسمانی کی طرف منسوب شدہ کتابون پر نظر

وہ کتابین جو الہامی سمجھی جاتی ہین اور وحی آسمانی کیطرف منسوب کی جاتی ہین اُنکے متعلق اگر خود اُنکے ماننے والون کے محررات کی روشنی مین نظر کیجاے تو اُنکی تاریخ زندگی ایسے حوادث و انقلابات کا مجموعہ نظر آتی ہے جنکی بناء پر کسی صورت سے وثوق کے ساتھ نہین کہا جاسکتا کہ اُنکے کسی حصہ کسی جزو کا وجود بھی دنیا مین باقی ہے اور یہ کہ جسے اب اُسکے متبعین سر اور آنکھون پر رکھ رہے ہین اور خدا کا کلام سمجھتے ہین اس مین کوئی آدھا چوتھائی جملہ بھی اُس حقیقی وحی سے عیناً مطابق ہے جو پیغمبرون پر نازل ہوئی تھی۔

توریت کی سرگذشت

توریت کہ جو یہود و نصاریٰ کی متفقہ کتاب اور اس لحاظ سے مخصوص اہمیت کی مالک ہی اسکی تاریخ عجیب و روح فرسا مصائب پر مشتمل ہی جنمین سے ہر ایک

اسکی زندگی کو فنا کردینے کی ضامن ہے۔

پہلی مصیبت اُسکے امانت دار اور حامل (بنی اسرائیل) کا بار بار دیانت موسویہ سے کنارہ کشی کرکے ارتداد اختیار کرنا اور تمام قوم کا من حیث المجموع یک مرتبہ خدا پرستی کو ترک کرکے بت پرستی شروع کردینا جسکے نمونہ دو چار نہین بلکہ دو تین صدی کے اندر دس بیس کی تعداد یا اس سے زیادہ تک پہونچتے ہین

بھلا وہ قوم کہ جو خود موسی کی زندگی مین حقائق الٰہیہ سے اتنی بعید تھی کہ بات بات پر توحید کا دامن ہاتھ سے چھوڑ کر شرک اختیار کرتی تھی وہ موسی کے بعد کب دیانت موسویہ پر قائم رہ سکتی تھی۔ چنانچہ ابھی موسی کے وصی یوشع کی انتقال کو کچھ زیادہ عرصہ گذرنے نہ پایا تھا کہ بنی اسرائیل نے اپنے خدائے برحق کو چھوڑ کر دوسرے خداؤن کی پرستش شروع کردی اور انکو سجدہ کرنے لگے جسکی سزا مین خدا نے ایسے اقوام کو مسلط کیا جنھون نے انکو غارت اور انکے اموال کو برباد کیا اور انکو غلام و کنیز بنا کر فروخت کیا، اُسکے بعد وقتاً فوقتاً خدا مصلح پیدا کرتا رہتا تھا لیکن ادھر ایک مصلح کا انتقال ہوتا تھا اُدھر پوری قوم کی قوم کفر و شرک اختیار کرلیتی تھی

(سفر قضاۃ باب ۲ آیت ۱۱-۱۹)

بنی اسرائیل کا قیام کنعانیین و حتیین و اموریین وغیرہ کے درمیان ہوا اور ان سے میل جول بڑھا یہان تک کہ اُنکی لڑکیون کی شادی اُنکے یہان اور انکی لڑکیونکی شادی اُنکے یہان ہونے لگی جسکا نتیجہ یہ تھا کہ اُنکے خداؤن کی پرستش کرنے لگے

اور اپنے خدا کو بالکل بھول کر بتون کا پوجا پاٹ کرنے لگے جسکی یاداش مین خدا نے پوری قوم کو کوشان رشعتایم بادشاہ آرام النہرین کی غلامی مین دیدیا (باب ۳ آیت ۵ - ۸)

گذشتہ یاداش سے عاجز اگر توبہ و انابت کی اور خدا نے اُنکو اُس غلامی سے نجات دی لیکن چالیس ہی برس گذرے تھے کہ پھر پوری قوم دین سے پلٹ گئی جسکی سزا مین خدا نے عجلون بادشاہ مواب کو مسلط کیا اور ۱۸ - برس تک تمام بنی اسرائیل کو اُسکی غلامی کرنا پڑی۔ (آیت ۱۲ - ۱۴)

اِس کے بعد خدا نے رحم کھاکر نجات دی مگر اسّی برس کے بعد پھر بنی اسرائیل نے شرارت شروع کر دی اور خدا نے یابین بادشاہ کنعان کو مسلط کیا جس نے بنی اسرائیل کو بیس برس تک سخت ترین تکلیفیں پہونچائین (باب ۴ - آیت ا-۴)

پھر چالیس برس صبر و سکون مین گذرے اور اسکے بعد پانچوین مرتبہ بنی اسرائیل نے شرک اختیار کیا اور بت پرستی شروع کی جسکی سزا مین سات برس یدمدیان کی غلامی کرنا پڑی (باب ۶ - آیت ۱)

چھٹی مرتبہ جدعون کے انتقال کے بعد بنی اسرائیل پھر موسوی دیانت سے پلٹ گئے اور بتون کی پرستش کرنے لگے اور اُس خدا کو بالکل بھول گئے جس نے اُنکو چند مرتبہ ظالمین سے نجات دی تھی۔ باب ۸ - آیت ۳۳ - ۳۴

ساتوین دفعہ اُسوقت جب یائر جلعادی قاضی کا انتقال ہوا تھا بنی اسرائیل

نے شرک اختیار کیا اور کثیر التعداد بتوں کی پرستش شروع کردی اور خدا کی عبادت کو ترک کردیا جسکی وجہ سے خدا نے اُنکو فلسطینیوں کے ہاتھ بیچا اور انھوں نے اٹھارہ برس اتنی سختی سے حکومت کی کہ بنی اسرائیل کی ہڈیوں پسلیوں کو چور چور کردیا (باب ۱۰ آیت ۶-۸)

پھر عبدون بن ہلیل فرتونی کی وفات کے بعد ان لوگوں نے اسی قسم کے افعال کا اعادہ کیا جس پر دوبارہ اُن پر فلسطینیوں کو چالیس برس تک کے لئے مسلط کیا گیا (باب ۱۳ آیت ۱)

مختصر یہ ہے کہ موسوی لوگ موسیٰ کی تعلیم کے خلاف دوسرے اقوام سے میل جول بڑھا کر اُنکے اخلاق و عادات سے متاثر ہوتے اور اُنکے بتوں کی پرستش کر کے شرک کو اختیار کرتے تھے اور اپنے لڑکوں لڑکیوں کو بتوں کی خاطر قربانی کرتے تھے جسکی بنا پر متعدد بار خدا کا غضب اُنپر نازل ہوا اور ہر مرتبہ اُن پر ظالمین کو مسلط کیا جاتا تھا جو اُنکی انتہائی توہین و تذلیل کرتے تھے اور پھر ہر مرتبہ خدا نے توبہ و انابت کے بعد اُنکو نجات دی لیکن وہ لوگ متفقہ طور سے اُسکی نافرمانی ہی کرتے رہے (مزمور ۱۰۶ آیت ۳۴-۴۳)

جب سلیمان کا انتقال ہوا اور مملکت بنی اسرائیل دو حصوں میں منقسم ہو گئی ایک جماعت نے جو یہودا و بنیامین کی نسل سے تھی رجعام کو منتخب کیا اور باقی جتنے اسباط کی اولاد تھی اُنھوں نے یربعام کو اپنا بادشاہ تسلیم کیا، یربعام نے اُنکے لئے

دو گوسالہ سونے کے تیار کرائے اور اعلان کیا کہ خدا یہی ہین جنکی پرستش کرنا لازم ہے چنانچہ اُنکی پرستش جاری ہو گئی اور اُنکے اطراف و جوانب مین کاہنین نے ڈیرے ڈالدیے اور ایک طویل عرصہ تک اُنکی پرستش جاری رہی (سفر ملوک اول باب ۱۲- آیت ۲۵-۳۳)

حد یہ تھی کہ اخاب کے زمانہ مین صنم کی طرف دعوت دینے والے چارسو پچاس نبی تھے اور مختلف ستونون کے جنکی پرستش ہوتی تھی چارسو نبی تھے۔

(ملوک اول باب ۱۸- آیت ۱۹)

یہ حالت ان لوگون کی ہوشع بن ایلہ کے عہد سلطنت تک قائم رہی بلکہ اس مین اضافہ ہوتا رہا یہانتک کہ ہر سر بلند ٹیلے کے اوپر اور سرسبز درخت کے نیچے اصنام نصب کئے اور اُنکی نذر کے لئے آگ روشن کی اور خدا کے تمام فرائض و حدود کو ترک کر دیا اور باطل کی پرستش کی اور اپنے لئے طلائی گوسلے ڈہلوا کر بنوائے جنکی عبادت کرتے تھے جسکی پاداش مین غضبناک ہوکر رب نے اُنکی تمام قوم کو ذلیل کر دیا اور راشورین کے حوالہ کیا جنھون نے اُن کو لوٹا اور برباد کیا (ملوک دوم باب ۱۷- آیت ۷-۲۰)

عثلیا بنت عمری کی اولاد کے زمانہ سلطنت مین بیت المقدس کو منہدم کر دیا گیا اور تمام معابد الٰہیہ صنم پرستی کے لئے وقف ہو گئے (اخبار ایام ثانی باب ۲۴ آیت ۷)

یہودیا داع کے انتقال کے بعد تمام رؤسا ملک یواش کے پاس آئے اور اُس کو سجدہ کیا اور خدا کی عبادت کو ترک کر کے بت پرستی اختیار کر لی (باب ۲۴ آیت ۱۷-۱۸)

امصیاہ نے بادشاہ ہوکر بنی ساعیر کے بت لاکر انکے درمیان کھے اور انکو سجدہ کیا اور انکے لئے آگ روشن کی (باب ۲۵ آیت ۱۴ - ۱۵)

احاز کی سلطنت ہونے پر پھر مورتین تراشی گئین جنکی عبادت ہوتی تھی اور اولادین قربانی کے لئے جلائی گئین اور بلندیون کے اوپر شاداب درختون کے نیچے پرستش کے لئے بت نصب کئے گئے جسکی پاداش مین ملک آرام کے ہاتھون انمین کے ایک لاکھ بیس ہزار آدمی قتل ہوے اور لاکھون آدمی قید کئے گئے۔

(باب ۲۸ - آیت ۲ - ۶)

ان لوگون نے بیت المقدس کے دروازونکو بند اور اسکے چراغون کو خاموش کردیا اور خدائے برحق کی عبادت ترک کردی (باب ۲۹ آیت ۷)

بیت المقدس مین اتنی نجاست جمع ہوگئی تھی کہ حزقیال نے جب اسکی تطہیر کا ارادہ کیا تو آٹھ دن مین وہ نجاستین ہٹائی گئین (باب ۲۹ آیت ۱۶ - ۱۹)

حزقیال کے بعد اسکے بیٹے منسی نے پھر کفر و شرک کی بنیادین قائم کین اور وہ تمام اصنام جو اسکے باپ نے منہدم کئے تھے از سر نو قائم کردیئے اور تمام یہودیون کو گمراہ کرکے ایسے افعال کرائے جو گذشتہ نسلون کے افعال سے بھی زیادہ قبیح تھے

(باب ۳۳ آیت ۱ - ۱۰)

بھلا ایک ایسی قوم جس نے مذہبی حیثیت سے اتنے پلٹے کھائے ہون اور اتنی مرتبہ ارتداد کو اختیار کرکے کفر و شرک اور بت پرستی کے راستے پر لگی ہو اُس کے

متعلق کہاں یہ اطمینان ہو سکتا ہے کہ اُس نے کتاب الٰہی اور توریت حقیقی کو اُسکی اصلی حالت پر رہنے دیا ہو گا یا اُسکی حفاظت مین کوئی اہتمام کیا ہو گا بلکہ اُسکی کفر پروری اور باطل پرستی کا اقتضا یہ ہے کہ وہ اُس مین اپنی خواہش کے مطابق طرح طرح کے تصرفات کر کے اُسکو اپنے مذاق کے موافق بنا لے اور پھر جبکہ ہمکو موجودہ توریت کے اندر جا بجا شرک و تعدد الٰہ کے عقیدہ کی جھلک بھی نظر آ رہی ہے جسکا ایک نمونہ یہ ہے کہ توریت عبرانی مین اکثر مقامات پر خدا کا تذکرہ کرنیکے موقع پر لفظ "اُلوہیم" کا اطلاق ہوا ہے اور عبرانی مین "م" علامت جمع ہے جس کی بنا پر معنی اسکے ہوئے "خدایان" جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی مذہبی فساد طبیعت کا اثر توریت کے اوپر پڑے بغیر نہین رہا اور انکے شرک و صنم پرستی کے مسلسل و متواتر تظاہرات نے توریت کے اندر بھی رنگ آمیزیاں کی ہین۔

دوسری مصیبت توریت کا اصلی نسخہ جو موسیٰ نے خود لکھکر اولاد لادی کے سپرد کیا تھا اُسکے متعلق ہدایت یہ تھی کہ وہ تابوت عہد رب کے پہلو مین بیت المقدس کے اندر رکھا جائے (سفر تثنیہ باب ۳۱ - آیت ۲۵ - ۲۶) لیکن اس کے بعد تابوت عہد رب مین جو انقلابات ہوئے اُن مین اس نسخہ کا کچھ پتہ نہین چلتا، وہ وقت کہ جب فلسطینین نے بنی اسرائیل پر غلبہ حاصل کیا۔ اور بنی اسرائیل نے انتہائی شکست کی خوف سے تابوت کو بیت المقدس سے نکالکر عبرانیین مین منتقل کیا اور فلسطینیونکو اسکی اطلاع ہو گئی جسکی بنا پر تب انھون نے

ہلہ کردیا اور اسرائیلیین نے تابوت کو چھوڑ کر فرار کیا اور اہل فلسطین نے تابوت پر قبضہ کر لیا اُسوقت اس نسخہ کا کوئی تذکرہ نہین (صموئیل اول باب ۴)

پھر جب داؤد نے اس تابوت کو بیت عوبید مین منتقل کیا اور تین مہینے وہان رکھنے کے بعد اپنے شہر صیہون مین لے گئے وہان بھی اس نسخہ کا کوئی ذکر نہین

(صموئیل دوم باب ۶)

پھر جب سلیمان نے تابوت رب کو خیمۂ اجتماع اور تمام مقدس ظروف کیساتھ جو اس خیمہ مین تھے صیہون سے بیت المقدس کی محراب مین منتقل کیا تب بھی اس نسخہ کا نام و نشان نہین۔ یہ بھی نہین کہا جا سکتا کہ یہ نسخہ تابوت کے اندر تھا اس لیے کہ اس موقع پر تابوت کے اندر بتصریح عہد قدیم صرف وہ دو پتھر کی لوحین تھین جو مصر سے نکلتے وقت اُنھون نے بطور معاہدہ بنی اسرائیل کے لئے مقام حوریب مین تابوت کے اندر رکھی تھین (ملوک اول باب ۸ آیت ۱-۱۰)

اگر یہ امر تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ نسخہ تابوت کے پاس بیت المقدس کی محراب کے اندر موجود تھا تو کیا وہ اُسوقت باقی رہ سکتا ہی جب رحبعام کے زمانہ مین شوشق بادشاہ مصر نے اورشلیم پر چڑھائی کر کے خانۂ خدا کے تمام خزانہ اور بیت المقدس کی ہر چیز (بلا استثناء) لوٹ کر اپنے قبضہ مین کر لی تھی۔

(ملوک اول باب ۱۴ آیت ۲۵و۲۶)

اگر وہ اُسوقت باقی بھی رہ گیا ہو تو کیا وہ اُسوقت رہ سکتا ہے جب

عتلیاکی اولاد نے بیت المقدس کو منہدم کر دیا تھا اور جتنی مقدس چیزین تھین وہ اپنے بت بعلیم کے لئے لیگئے تھے جسکے بعد یواش اور یہویاکو دوبارہ بیت المقدس کے از سر نو اسکی سابقہ بنیادون پر تعمیر کی ضرورت ہوئی تھی۔

(ایام دوم باب ۲۴ آیت ۷ - ۱۳)

فرض کرو اسوقت بھی وہ نسخہ باقی رہا تو کیا اسوقت بھی وہ باقی رہا جب یہواش مشرک نے اورشلیم پر آکر اسکی چار دیواری کو چار سو ہاتھ کی مسافت تک منہدم کر دیا اور جتنا طلا و نقرہ اور جتنے ظروف بیت المقدس مین موجود تھے سب کو قبضہ مین کر لیا۔ (ملوک دوم باب ۱۴ آیت ۱۳ - ۱۴)

اچھا اسوقت وہ باقی رہا تو کیا اسوقت وہ تلف نہین ہوا جب احاز مشرک نے تمام بیت المقدس کی اشیا کو ضبط کر کے بیت المقدس کے دروازون مین قفل لگا دیئے اور اورشلیم کے ہر گوشہ مین اپنے لئے مذابح یعنی قربانی کے مقامات مقرر کئے۔

(ایام ثانی باب ۲۸ آیت ۲۴)

اور کیا اُس جماعت نے اس نسخہ کو چھوڑ دیا تھا کہ جس نے بیت المقدس کو نجاست سے اس طرح مملو کر دیا تھا کہ آٹھ دن اسکی صفائی مین صرف ہوئے

(باب ۲۹ آیت ۱۷)

درایت کے اصول پر ان واقعات کو دیکھتے ہی یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ توریت کا اصلی نسخہ باقی نہ تھا اور وہ انقلابات و حوادث کی نذر ہو گیا تھا۔

تیسری مصیبت توریت کے اصلی نسخہ کے سوا کسی دوسرے نسخہ کا وجود بھی صدر اول مین پایا نہین جاتا اور اگر پایا بھی جائے تو وہ

صرف دو ایک شخصون کے پاس محدود تھا اور عام طور سے اُسکے نسخون کی اشاعت نہوئی تھی اور اس لحاظ سے اگر اصلی نسخہ مفقود ہوجاتا تو اس کا قائم مقام ملنا ممکن نہ تھا اور اُس پر کوئی افتاد پڑتی خواہ اُس کو مفقود کرکے دوسرا اُسکی جگہ پر ایجاد کرلیا جاتا یا خود اُسی مین کمی زیادتی کرکے تراش خراش کیجاتی تو اُسکی عام طور پر شناخت کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔

عہد مقدس مین تصریح موجود ہی کہ بنی اسرائیل پر بہت ایسے وقت گذرے ہین کہ نہ اُنکے لئے کوئی سچا خدا تھا اور نہ کوئی تعلیم دینے والا کاہن جس کے تعلیمات پر وہ چلتے اور نہ انکے لئے کوئی شریعت موجود تھی۔

(ایام دوم باب ۱۵ آیت ۳)

اور عبرانی نسخہ مین یہ ہی کہ نہ اُنکے پاس اُس زمانہ مین توراۃ تھی وہ وقت کہ جب یوشیا نے شافان کاتب کو بیت المقدس مین بڑے کاہن حلقیا کے پاس بیت المقدس کے بعض اندرونی انتظامات کیلئے بھیجا ہی اُس موقع پر حلقیا نے کہا کہ مجھے بیت المقدس مین سفر شریعۃ (توریت) دستیاب ہوا اور وہ سفر شافان نے لاکر بادشاہ کے پاس پیش کیا اور اُسکو پڑھ کر سنایا، بادشاہ نے اُسکو سنکر اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور کاہنوں کو بلاکر ہدایت کی کہ وہ بارگاہ خدا مین

توبہ و انابت کریں اُن مضامین کی جہت سے جو اس دستیاب ہونیوالی سفر میں ہیں اسلئے کہ ہم نے اور ہمارے آباؤ اجداد نے اب تک ان تعلیمات پر عمل نہیں کیا۔

(ملوک دوم باب ۲۲ آیت ۸-۱۳)

نیز بادشاہ نے تمام بزرگان یہوداہ اور یروشلیم کو جمع کیا اور بادشاہ ان سب کو لیکر بیت المقدس کی جانب گیا اور ان سب کو وہ سفر پڑھ کر سنایا اور خدا کیساتھ عہد و پیمان لیا کہ اب وہ اسکے احکام پر عمل کریں گے اور بادشاہ نے کاہنوں کو حکم دیا کہ وہ بیت المقدس سے تمام اُن اسباب و آلات کو جو صنم پرستی کیلئے وہاں جمع کئے گئے تھے نکالکر یروشلیم کے باہر آگ میں جلادیں اور اسطرح جتنے فسق و فجور اور کفر و شرک کے ذرائع بیت المقدس کے اندر اور ارد گرد تھے سب کو تباہ و برباد کردیا

(باب ۲۳)

اس واقعہ سے صاف ظاہر ہے کہ اسکے قبل سفر تورات موسائیوں کے ہاتھ میں موجود نہ تھا اور وہ مفقود ہو چکا تھا جب ہی حلقیاہ کے ذریعہ سے بادشاہ نے جو تورات کے مضامین کو سنا تو وہ از خود رفتہ ہو گیا اور وہ اسکو عجیب چیز معلوم ہوئے اور ان تعلیمات کو سنکر جواب تک اُنکے گوش زد نہ ہوئے تھے اُن تمام لوگوں پر خوف و ہراس کا غلبہ ہوا۔

پھر جبکہ تورات کا نسخہ اُسکے پاس موجود نہ تھا تو اس بات کی کونسی ضمانت ہو سکتی ہے کہ حلقیاہ نے جو کتاب تورات کہکر دی وہ حقیقۃً توریت ہی تھی ؟

کیا نہین ممکن کہ بادشاہ کو صحیح راستہ پر لگانے کے لئے یہ حلقیا کی ایک چالاکی

ہو جو بر موقع نتیجہ خیز ثابت ہوئی -

پھر اُس موقع پر کہ جب بھی بابل سے یہ لوگ نجات پاکر واپس ہوئے اور خدا

پرستی کی طرف توجہ کی تو تمام جماعت نے متفقہ حیثیت سے عزرا کاتب کے پاس آکر

مطالبہ کیا کہ وہ سفر توریت کو لاکر اُنکے سامنے پڑھ کر سنائے چنانچہ عزرا اُس سفر کو لیکر

تمام جماعت کے سامنے جو مرد و زن سے مخلوط تھی لے کر آیا اور صبح سے دوپہر تک

اُسکو پڑھ کر سناتا رہا، تمام مجمع گوش بر آواز تھا اور توریت کے مضامین کو سُنکر

اُنکی آنکھوں سے آنسو جاری تھے - دوسرے دن تمام بڑے بڑے پادری اور کاہن

اور لاوین عزرا کے پاس جمع ہوئے کہ وہ اُنکو آیات توریت کے معنی سمجھا چنانچہ

اُسمین لکھا ہوا پایا کہ بنی اسرائیل ساتوین مہینہ مین عید کے دن چھتون کے نیچے

بسر کرین جسکو سنکر سب چھتون کے بنانے مشغول ہو گئے (سفر نحمیا باب ۸)

توریت مین یہ بھی لکھا پایا کہ عمونیا اور موبیا کبھی موسائیون کی جماعت مین

داخل نہونے پائین اسلئے کہ اُنھون نے بنی اسرائیل کے ساتھ کوئی ہمدردی

نہین کی، یہ سنکر اُن لوگون نے مذکورہ بالا اشخاص کو جماعت سے جدا کر دیا (نحمیا باب ۱۳)

اس سے بھی غیر مشتبہ طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ توریت کا وجود صرف عزرا سے

مخصوص تھا یہان تک کہ آبا لیسوعیین اور کاہن لوگ جو حقیقۃً توریت کے امانتدار

تھے اُنکے پاس بھی اُس کا وجود نہ تھا ورنہ اِن سب کے باتفاق عزرا کے پاس جمع ہو کر

توریت کے سننے اور سمجھنے کی ضرورت نہ تھی اور نہ اس توریت سے ایسے احکام پروہ مطلع ہوئے جن سے ابتک وہ بالکل بے خبر تھے اور اب توریت کے سننے کے بعد اُنکو توجہ پیدا ہوئی

جب توریت کا وجود اتنی محدود حیثیت رکھتا تھا کہ وہ ہروقت صرف ایک شخص کے پاس محفوظ تھا تو اب توریت کا اصلی حالت پر باقی رہنا صرف اُسی شخص کے رحم وکرم کا پابند ہی ورنہ اگر کہین پر شخصی ونفسانی اغراض نے قلم کو جنبش دیدی تو اُسکی نہ داد ہو سکتی ہے نہ فریاد اسلیئے کہ سوائے اُسکے کوئی شخص تورات پر مطلع ہی نہین ہے۔

مثال کے طور پر کیا یہی نہین ممکن کہ عمونیا وموابیا کے جماعت سے نکالدیئے جانیکا حکم جو توریت مین تازگی کے ساتھ پایا گیا اور موسائیون کو خواہ مخواہ اُس پر عمل کرنا پڑا وہ کسی ذاتی کاوش کا نتیجہ ہو کہ جو عزرا کو اُن اشخاص سے پیدا ہو گئی تھی۔

یقیناً جبکہ تورات ایک یا دو شخصون کا مخصوص سرمایہ قرار پا گئی تو اب نہ اُس مین تواتر کا دعوے ہو سکتا ہے اسلیئے کہ تواتر کے لئے اتنی جماعت کی ضرورت ہے جنکا خلاف واقعہ بات کے بیان کرنے پر متفق ہو جانا نا ممکن ہو اور نہ اُسکے کسی قسم کی تحریف وتبدیل کے خلاف کوئی ضمانت ہو سکتی ہے۔

چوتھی مصیبت خود کتاب مقدس مین متعدد جگہ اسکے تصریحات پائے جاتے ہین کہ توریت مین تحریف ہوئی ہے اور وہ اپنی اصلی حالت پر باقی نہین ہے۔

ملاحظہ ہو سفر ارمیا باب ۲۳ آیت ۳۶ -

"وحی الٰہی کا تو نام ہی نہ لو اسلئے کہ وحی ہر شخص کی وہی ہے جو اُس کا کلام ہو اور تم نے خدا کے کلام مین تحریف کردی ہے"

نیز باب ۸ آیت ۸

کِس طرح تم کہتے ہو کہ ہم حکما ہین اور شریعت خدا (توریت) ہمارے پاس ہے - یقیناً یہ غلط ہے - اِس شریعت کو تو لکھنے والون کے دروغ گو قلم نے بدل دیا ہے"

سفر اشعیا باب ۲۹ آیت ۱۶ مین ہے -

"اُف ری تمھاری تحریف"

افسوس ہے کہ ان تصریحات مین تحریف کی نوعیت کو بھی تبلا نہین دیا گیا ہے جسکی بناء پر ہر قسم کی تحریف کا شبہہ ہو سکتا ہے اور پھر سفر ارمیا والی پہلی آیت سے تو صاف ظاہر ہے کہ تحریف اس حد پر ہوئی جس نے اُسکو درجۂ اعتبار سے ساقط کر دیا جب ہی کہا جاتا ہے کہ "وحی آسمانی کا نام لو"

اور دوسری آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریف احکام الٰہیہ کو بھی صدمہ پہونچائے بغیر نہین رہی جب ہی یہ کہنے سے منع کیا گیا ہے کہ شریعت خدا ہمارے پاس موجود ہے -

اِن تمام مصائب کے بعد جنھون نے کتاب مقدس کی زندگی کو مشکوک بنا دیا

یہ کسی صورت پر باور نہین کیا جا سکتا کہ موجودہ توریت یا اُسکا کوئی ایک جزو بھی بالکل وہی ہے جو موسیٰ پر نازل ہوئی تھی بلکہ پوری کتاب کے متعلق یہ شبہہ پیدا ہونے کا حق ہے کہ وہ کسی جدت طرازی اور طبع آزمائی کا نتیجہ ہے جسطرح اُسکے ہر ہر جزو کے متعلق یہ خیال کئے جانے کا موقع ہے کہ وہ کسی کی تراش و خراش کا نتیجہ ہو۔ اور اسکے بعد کسی ایک لفظ کے متعلق بھی بوثوق یہ نہین کہا جا سکتا کہ وہ یقیناً وحی آسمانی کے مطابق اور خدا کا کلام ہے۔

اور پھر لطف یہ ہے کہ خود اُس مین ایسے شواہد موجود ہین جو بتلا رہے ہین کہ وہ پورے کا پورا خدا کا کلام نہین ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا یہانتک کہ سفر تثنیہ کے باب ۳۴ مین موسیٰ کی وفات کا قصہ اور بنی اسرائیل کی اُنپر گریہ وزاری تک کا تذکرہ موجود ہے چنانچہ اُس مین لکھا ہے

"موسیٰ زمین مواب مین انتقال کر گئے اور وہین دفن ہوے اور آج تک کسی کو اُنکی قبر کا پتہ نہین چلا اور موسیٰ کی عمر اُسوقت ایکسو بیس برس کی تھی باوجود اُسکے اُنکے آنکھونکی بصات اور اُنکے چہرے کی شادابی مین فرق نہ آیا تھا۔ بنی اسرائیل تیس دن تک موسیٰ پر گریہ وزاری کرتے رہے اور یوشع بن نون روح حکمت سے پر تھے اسلیے کہ موسیٰ نے اپنا ہاتھ اُنپر رکھا تھا۔ بنی اسرائیل نے اُنکی اطاعت کی اور اُن احکام پر عمل کیا جو رب نے موسیٰ کو دیئے تھے۔ موسیٰ کے بعد پھر کوئی نبی ایسا بنی اسرائیل کو نصیب نہین ہوا جس سے خدا مُنھ در مُنھ شناسائی پیدا کرے۔"

یہ لفظین ہرگز اُس تورات کی نہین ہوسکتین جو خدا نے موسیٰ پر نازل کی تھی۔ بلکہ صاف طور پر ظاہر ہے کہ وہ موسیٰ کے انتقال سے بہت دن کے بعد تصنیف کی گئی ہین۔

انجیل اور اُسکی موجودہ حیثیت

توریت کے بعد دوسرا نمبر انجیل کا ہے اسلئے کہ وہ عیسائیونکی مقدس کتاب ہے۔ جو مذاہب عالم کی مردم شماری مین اسوقت اول درجہ رکھتے ہین بیشک انجیل آسمانی کتاب ہے جو رب کی جانب سے علیسیٰؑ پر نازل ہوئی تھی لیکن کیا اُسکا وجود باقی ہے اور کیا موجودہ اناجیل جنکے ہزارہا زبانون مین ترجمے ہوچکے ہین اور ہر سال لاکھون کی تعداد مین شایع ہوتے ہین اُنمین کوئی حصّہ اور کوئی جزو بھی یقینی طور پر وحی آسمانی ہی؟ افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہی کہ اس کا جواب نفی مین ہے۔

انجیل کے متعلق گوناگون وجوہ پر نظر کرنے سے اس امر کا کوئی اطمینان باقی نہین رہتا کہ موجودہ اناجیل مین وحی الٰہی کا بھی کوئی حصّہ ہے۔

پہلی وجہ ۔ اس مین کوئی شبہہ نہین کہ عیسیٰ پر جو انجیل نازل ہوئی تھی وہ ایک ہی تھی انمین دو تین چار یا اس سے زیادہ کی تعداد کا پتہ نہ تھا انجیل کے نام سے جو کتابین تصنیف ہوئین اُنکی تعداد دس اور بیس بچاس سے گذر کر سو

بلکہ اِس سے زیادہ تک پہونچ گئی جس کی تصریح اورشین ۔ اوبیب ۔ جیروم وغیرہ اکابر مسیحیین کے کلمات مین موجود ہے ۔

عیسیٰ کے آسمان پر اُٹھائے جانے کے چارسو برس بعد اختلافات سے عاجز آکران پانچ انجیلون پر اتفاق کیا گیا جنمین سے چار یہی ہین کہ جو مشہور ہین اور ایک انجیل صبوہ ہے جس کو بہت کم لوگ جانتے ہین اور وہ پطرس کی طرف منسوب ہے جس مین مریم کی زبانی مسیح کے بچپنے کے حالات کا تذکرہ ہے ۔ اس صورتِ حال کے دیکھنے پر کیا یہ امر صاف ظاہر نہین ہے کہ انجیل کا اصلی نسخہ عیسائیون کے پاس موجود نہ تھا اسی لئے ۔

ہر بوالہوس نے حسن پرستی شعار کی

جس شخص کا دل چاہا اُس نے ٹھکرا اپنے دل سے ایک انجیل تصنیف کر کے عیسیٰ کی طرف منسوب کردی اور اگر فرض بھی کیا جائے کہ اِن نسخون مین سے کوئی ایک حقیقی انجیل کا نسخہ تھا تو کیا ممکن نہین کہ اُن پچانوے چھیانوے مین سے ہو کہ جنھین درجہ اعتبار سے ساقط کر کے چھوڑ دیا گیا اور ان چار پانچ انجیلون مین سے کوئی بھی حقیقی انجیل سے تعلق نہ رکھتا ہو ۔

اور اگر وہ نسخہ اِن چار کے اندر موجود بھی ہو تو جبکہ اِن چار مین لفظی و معنوی ہر قسم کے اختلاف اور تناقضات پائے جاتے ہین تو اسکی تعیین کیونکر ہو سکتی ہے اور درصورت عدم تعیین اِن چارون کو برابر سے کلام الٰہی اور وحی سماوی سمجھنا جو

عیسائیون کا نقطۂ نظر ہے کہاں تک صحیح ہو سکتا ہے؟

دوسری وجہ اُس وقت کہ جب مسیح شیطان کی آزمایش کے بعد واپس ہوئے ہین اور پہلے پہل بیت المقدس کی طرف گئے ہین کہ اپنی رسالت کی تبلیغ یہود مین کرین تو پہلی بات جو عیسیٰ کی زبان سے نکلی تھی وہ یہ کہ زمانہ کا دور پورا ہو چکا ہے اور خدائی سلطنت کا عہد قریب آگیا ہے۔ اب تم لوگ توبہ کرو اور انجیل پر ایمان لاؤ (انجیل مرقس باب ۱ آیت ۱۵)

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی چیز اُسوقت موجود تھی جسکا نام انجیل تھا اور کون نہین جانتا کہ اُسوقت جو ابتدائی دور رسالت مسیح کا تھا اُن واقعات مین سے کہ جو موجودہ اناجیل کے اندر مذکور ہین کسی کا پتہ بھی نہ تھا اسی سے یہ بات سمجھ مین آجاتی ہے کہ موجودہ اناجیل وہ نہین ہین کہ جن پر عمل کی دعوت عیسیٰ نے اپنے ابتدائے نبوت ہی سے دی تھی۔

تیسری وجہ مسیحی دیانت کی نشو ونما اصرہ مین کچھ ماہی گیرون کے گروہ مین ہوئی تھی جنکو علم اور ادب سے کوئی بہرہ نہ تھا اور پھر یہ لوگ یہودیون کی کثیر التعداد جماعت کے اندر بیکسی اور بے بسی کی زندگی بسر کر رہے تھے اس لئے مسیح کے واقعات اور تعلیمات خود اُنکے زمانہ مین قلمبند نہوئے مسیح کو بھی اُن ہمت شکن مصائب کی بدولت جو انھین آخر وقت تک بھیونکی ہاتھون برداشت کرنا پڑے جنکی وجہ سے اُنکو بہت کم عمر ہی مین زمین پر سے اُٹھا لئے جانے کی ضرورت محسوس

ہوئی یہ موقع نہ مل سکا کہ وہ اپنے تعلیمات کی جمع آوری کا انتظام کرین۔ انکے ساتھ والون کو جو آخر تک تعداد مین بہت کم رہے تھے اتنا بھی موقع نہ ملا تھا کہ وہ اوس انجیل کو جو عیسیٰ پر نازل ہوئی تھی اپنے پاس نقل کر کے محفوظ رکھ سکین اور اُس انجیل مین سے سوائے بعض فقرات کے جو معدودے چند افراد کو کہین کہین پر سے یاد تھے کوئی جزو بھی اُنکے پاس قید تحریر مین نہ تھا، مسیح کے اُٹھائے جانیکے بعد ہی اُنمین جنگ وجدال کا بازار گرم ہوگیا جس مین ہزارون آدمیون کی جانین تلف ہوئین اور ان پریشانیون کے باعث مذہبی بنیادون کے مضبوط کرنے کی کوئی فکر نہ ہوسکی

وہ چند فقرات انجیل کے جو سینوں مین محفوظ تھے اُنمین بھی امتداد زمانہ نے تغیر وتبدل پیدا کر دیا پھر جسکو اپنا اثر و رسوخ قائم کرنا ہوا اُس نے اپنی طرف سے اضافہ کر کے ایک انجیل تیار کر دی جسکی صحت کا دار و مدار بھی صرف اُسی شخص کے دعوے پر ہی جو اُس انجیل کا مصنف ہی۔

چوتھی وجہ

موجودہ اناجیل مین سب سے زیادہ معتبر و مستند انجیل متی ہے اس لئے کہ متی باتفاق مسیحین حوارین حضرت عیسیٰ مین سے تھے اور انکی انجیل مسیح کے اُٹھائے جانے کے آٹھ برس کے بعد تمام دیگر اناجیل سے پہلے عالم وجود مین آئی ہے لیکن اس انجیل کی تاریخ اتنی تاریک ہے کہ اُسمین تحقیق کا روشن ترین چراغ بھی جھلملا کر گل ہونے لگتا ہے۔

یہ امر شواہد و تصریحات کی بناء پر ناقابلِ انکار ہی کہ انجیل متی کی اصل عبرانی

زبان مین تھی جو اُنھون نے تازہ ایمان لانیوالے یہودیان اور شلیم کی خاطر سے لکھی تھی لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہی کہ انجیل کا وہ اصلی نسخہ اب دنیائے مسیحیت مین موجود نہین ہے اور وہ آج یا آج سے سو برس پہلے نہین بلکہ دوسری یا تیسری صدی عیسوی ہی مین مفقود ہوچکا تھا، اُسکے مفقود ہونے کے بعد یہ ترجمہ نکلا جو یونانی مین ہی اور جو اب دوسری زبانون کے تراجم کی اصل ہے لیکن اس مترجم کا کوئی پتہ نہین معلوم ہے کہ یہ کون شخص تھا اور اُس کے خصوصیات کیا تھے؟ وہ مسیحی تھا یا یہودی یا کسی دوسرے مذہب کا شخص؟ اور آیا اُسکو اس ترجمہ کے ذریعہ سے مسیحی تعلیمات کا پھیلانا مقصود تھا یا اُنکو مٹانا؟ اور کیا وہ عبرانی و یونانی دونون زبانون مین اتنی قابلیت بھی رکھتا تھا کہ اُسکے ترجمہ پر کامل اعتماد کیا جائے؟ اور مذکورہ بالا صورت حال مین کیا یہ شبہہ پیدا نہین ہوتا کہ ترجمہ کی نشر و اشاعت کے موقع پر اصل انجیل کا مفقود کردینا اسی غرض سے تھا کہ جو دل بخواہ تصرفات کیے گئے ہین اُنکا راز فاش نہو سکے اور جو پردہ اُنپر پڑا ہوا ہے وہ زیادہ گہرا ہو جائے اور کسی شخص کو نہ ہو کہ وہ اصلی نسخہ کے ساتھ مطابقت کر کے اُسکی غلطیون کو طشت از بام کردے۔

پھر جب یہ صورت ہے تو نصاریٰ کی سادہ لوحی نہین تو کیا ہے کہ وہ اس انجیل پر ایمان لائے ہوئے ہین اور یقین کیے ہوئے ہین کہ وہ متی کی لکھی ہوئی ہی؟! حالانکہ اُس کے مترجم کا پتہ نہین اور نہ معلوم کتنی گمراہ کن باتین اُس مین

ایسی درج کر دی گئی ہین جنسے نہ متی کی روح خوش ہوگی اور نہ حضرت مسیح انکو پسند فرماتے ہین - کیا نہین ممکن کہ عبرانی نسخہ کسی یہودی کے ہاتھ پڑگیا ہو اور اس نے صرف مسیحی تعلیمات کو برباد کرنے کی غرض سے اُس مین جو چاہا اپنی جانب سے تصنیف کر کے لگا دیا ہو -

پانچوین وجہ انجیل متی کے علاوہ جو انجیلین ہین اُنکے مصنفین نے حضرت عیسیٰ کے تعلیمات کو بذات خود حاصل کرنا تو درکنار آنکی صورت بھی نہین دیکھی -

مرقس لاوی کی اولاد مین سے ایک یہودی شخص تھا جس نے بطرس کی شاگردی اختیار کی اور اہل رومیہ کی فرمایش سے اس انجیل کو تصنیف کیا - (دیکھو کتاب مروج الاخبار فی تراجم الابرار مصنفہ بطرس قرماج مسیحی مطبوعہ بیروت ۱۸۶۶ء)

عیسائیون کا یہ دعویٰ کہ مرقس نے اس انجیل کو بطرس کی صوابدید کے مطابق تیار کیا تھا اور اس طرح اسکا سلسلہ عیسیٰ کے حوارین تک پہونچتا ہے سند کا محتاج ہے - کسی کا دوسرے شخص کی شاگردی مین ہونا اس امر کا ذمہ دار نہین ہو سکتا کہ شاگرد جو کچھ لکھے وہ حرف بحرف استاد کی طرف منسوب ہو -

اب رہ گیا تیسری انجیل کا مصنف لوقا اسکے متعلق دنیائے نصرانیت مین اتنا اختلاف ہے کہ ہم اُسکو جہالت اور گمنامی مین انجیل متی کے مترجم کا ثانی

سمجھ سکتے ہین -

اتنا اتفاقی مسئلہ ہے کہ یہ شخص پولوس کا شاگرد تھا اور اُس نے کبھی مسیح کی صورت نہ دیکھی تھی - یہ انطاکیہ کا رہنے والا طبیب تھا اور بعض نے کہا ہے کہ مصور تھا -

بعض علماے نصارے نے اسکی تصریح کی ہے کہ لوقا نے اس انجیل کو مرقس والی انجیل کے بعد لکھا ہے اور اسوقت پطرس و پولوس دونون کا انتقال ہو چکا تھا اور اس انجیل کے الہامی ہونے کا عقیدہ تو یہین سے تشریف لیجاتا ہے رہ گئی انجیل یوحنا اُسکی حالت زیادہ گریہ خیز ہے پہلے تو یہ امر پایۂ تحقیق کو نہین پہونچ سکا کہ اس انجیل کے مصنف وہ یوحنا ہین جو عیسیٰ کے شاگردون مین سے تھے بلکہ بعض علمائے مسیحیین کا خیال ہے کہ یوحنا کی انجیل مدرسۂ اسکندریہ کے ایک طالب علم کے زور قلم کا نتیجہ ہے -

اور بعض ارباب تحقیق نے صاف طور پر لکھا ہے کہ انجیل اور جتنے رسالہ یوحنا کیطرف منسوب ہین وہ اُنکے نہین ہین بلکہ کسی نے دوسری صدی عیسوی کے اوائل مین اُنھین تصنیف کر کے یوحنا کے سر تھوپ دیا ہے تاکہ لوگونکی نظر مین انکی زیادہ قدر ہو اُس پر طرہ یہ کہ اس کتاب کی سبب تصنیف جو بتلائی جاتی ہے وہ خود اُس کے الہامی ہونے سے انکار کرتی ہے - اسکا تذکرہ ترجمہ انجیل مصنفہ جرجس زردین لبنانی مطبوعہ بیروت سنہ ۱۸۶۳ع مین موجود ہے اور اُسکا خلاصہ یہ ہے کہ رومیہ مین بادشاہ

کی جانب سے یوحنا کے متعلق حکم ہوا کہ وہ زندہ پکتے ہوئے تیل مین ڈالدئے جائین لیکن انکو موت نہ آئی اُسوقت وہ جزیرہ باطموس کی طرف جلاوطن کردیئے گئے بادشاہ کے مرنے کی خبر سنکر یہ پھر مقام افسس کی جانب گئے۔

شیرنطوس اور ابیون اور اُنکے ساتھ والے چونکہ مسیحی مذہب کے اس عقیدہ کے ساتھ رکھتے تھے کہ عیسیٰ ایک انسان نہ تھے بلکہ خدائی کا درجہ رکھتے تھے اسلئے ۹۶ء مین تمام ایشیا کے پادری جمع ہوئے اور انھون نے یوحنا سے خواہش کی کہ وہ حضرت عیسیٰ کے متعلق ایک انجیل تصنیف کرین جسمین وہ چیزین درج ہون جو ابتک دوسری انجیلون مین درج ہونے سے رہ گئی ہین اور خاص طور پر اُس مین مسیح کی الوہیت کو ثابت کرین۔ اُن لوگون کے اصرار پر یوحنا کو مجبور ہونا پڑا اور اُنکی خواہش کو رد کرنا ممکن نہوا۔

اِس بیان سے حقیقت صاف نظر آنے لگتی ہی اور معلوم ہوتا ہی کہ اس انجیل کے وجود مین آنے کا باعث کیا تھا؟ بات یہ ہے کہ عیسیٰ کے زمین پر سے اُٹھنے کو جتنا زمانہ زیادہ گذرتا تھا نئے نئے اور بدعت آمیز عقیدون کی پیداوار بڑھتی جاتی تھی اور حقائق کی جگہ توہمات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا تھا۔ پہلی دوسری اور تیسری انجیل کی تصنیف تک عیسیٰ کے تعلیمات کا کچھ اثر باقی تھا جسکی بنا پر اُن مین الوہیت مسیح کا صریحی تذکرہ نہین ہے لیکن اس کے بعد اِس عقیدہ نے کافی ترقی کی اور اس عقیدہ کے مبلغین نے محسوس کیا کہ

یہ بہت بڑی کمزوری ہمارے اس عقیدہ کی ہو کہ ہماری انجیل اس سے خالی ہے
اور ایسے اہم مسئلہ کا اس مین کوئی تذکرہ نہین۔

بس پھر کیا تھا۔ ایک نئی انجیل کے تصنیف کی رائے ٹھن گئی
اور آخر وہ یوحنا کے قلم سے پوری ہو گئی۔

کیا اس صورت حال کے بعد اس انجیل کو الہامی کہا جا سکتا ہے؟

مسیحیین نے یہ بات نکالی ہے کہ یوحنا نے جب انجیل لکھنے کا ارادہ کیا ہے
تو مخصوص طور پر ایک قلبی نماز خدا کی معیت کے ساتھ ادا کی تھی تاکہ روح القدس
اُن پر وحی لاتے رہین لیکن افسوس ہے کہ رجوع قلب سے نماز پڑھنا اس امر کی سند
نہین ہو سکتا کہ اس انجیل مین جو کچھ لکھا گیا وہ روح القدس کی لائی ہوئی وحی
سے ورنہ علمائے نصاریٰ روزانہ ایک قلبی و روحانی نماز پڑھ کے وحی اتروا لیا کرتے

اس سے صاف ظاہر ہے کہ موجودہ اناجیل مین کسی صورت سے بھی الہامی ہونیکا عقیدہ

خود انجیلون کے دیکھنے اور سرسری نظر سے بھی انکا مشاہدہ کرنے

چھٹی وجہ سے یہ امر ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ وہ کتاب نہین ہے جو خدا نے عیسیٰ
پر نازل فرمائی تھی بلکہ وہ درحقیقت مسیح کی تاریخ زندگی اور سوانح حیات کا
مجموعہ ہے جسکو چار شخصون نے متغائر لیکن ملتے جلتے پیرایون مین جمع کیا ہے اور
ایک کو دوسرے کے تحریرات سے اختلاف و تناقض کی پرواہ بھی نہین ہے
ان کی ابتداء اور انتہا، خود انکی تاریخی حیثیت کی شاہد ہے۔

انجیل متی کی ابتدا نامہ باب اول کتاب نسب نامہ عیسیٰ مسیح بن داود بن ابراہیم
سے اور انتہا وفات عیسیٰ اور اُنکے دفن وکفن اور زندہ ہوکر آسمان کیطرف
جانے پر ہوئی ہے، انجیل مرقس کی ابتدا یحیٰی تعمید دہندہ کے قصہ اور عیسیٰ کے
بعض کرامات سے ہوئی ہے اور انتہا حضرت عیسیٰ کی وفات و دفن وکفن وغیرہ کے بعد کے حالات
انجیل لوقا کے شروع مین تو خود اُسکے مصنف کی جانب سے بہت صاف
صاف لکھا گیا ہے کہ یہ اُن واقعات وحکایات کا مجموعہ ہے جو مجھ کو موثق ذرایع کر
اور بیش رد معتبر راویوں سے معلوم ہوئے ہین اور مجھ کو صلاح معلوم ہوئی کہ انکو
حرف بحرف سلسلہ وار تحریر کرون - انتہا اس کی بھی عیسیٰ کی وفات اور اُسکے
بعد والے واقعات پر ہوئی ہے -

انجیل یوحنا کی ابتدا بھی یحیٰی کی حکایت سے اور انتہا عیسیٰ کے انجام کار
پر ہوگئی ہے اور آخر مین صریحی طور پر لکھا گیا ہے کہ یہ وہ واقعات ہین جنکو عیسیٰ
کے ایک شاگرد نے اپنی آنکھون سے دیکھا اور اُنکو اپنے قلم سے لکھا ہے اور وہ
مصنف انجیل کے نزدیک صحیح ودرست ہین یہ عیسائیون کی سادہ لوحی ہے
کہ وہ باوجود ایسے صریح علامات وامارات کے موجودہ انجیل کو عیسیٰ پر اُتری
ہوئی الہامی کتاب سمجھتے اور اُس کو وحی الٰہی کی طرف منسوب کرتے ہیں -

وید مقدس کی اصلیت

ہندوستانی کے اصلی باشندے اور موجودہ زمانہ مین ہندستان کے

اندر اکثریت رکھنے والی قوم جو ہندو کے نام سے مشہور ہے۔ اسکی مقدس کتاب کا نام وید ہے جو چار حصون مین پائی جاتی ہے۔ رگوید۔ یجر وید۔ سام وید۔ اتھروب وید سناتن دھرمی ہندوؤن کا خیال ہے کہ ان چار کتابون مین صرف وہ منتر ہین جو عبادت کے موقع پر تلاوت کئے جاتے ہین۔ لیکن کسی قسم کے قانون اور قاعدے جو انسان کو صحیح راستہ پر لگائین اور ایسے احکام جنکی پابندی فرض ہو وہ اُنکے اندر موجود نہین ہین اور اگر ہین تو وہ ایسے مبہم طور پر ہین کہ جن سے اعلیٰ درجہ کے پاک نفس اور روشن ضمیر اشخاص ہی مستفید ہو سکتے ہیں۔ اس بناء پر وہ لوگ براہمن گرنتھون کو جنکے نام شت پتھ گوپتھ۔ ایتریہ۔ اور تانڈیہ ہین وید کی جگہ پر سمجھتے ہین اور انہی کو ہر طرح کے ہدایات کا مجموعہ خیال کرتے ہین اور اُن کے بعد منوسمرتی وغیرہ کا درجہ ہے لیکن سوامی دیانند سرسوتی جو آریہ سماج کے موسس اور بانی ہین اُنھون نے مذکورہ بالا ویدون کو بہت زیادہ اہمیت دیدی۔ اُنکی تعلیم یہ ہے کہ ہر قسم کے احکام اور معارف انہی ویدوں سے حاصل کئے جاسکتے ہین اور سوا ان چار ویدون کے باقی کسی کتاب سے سروکار رکھنے کی ضرورت نہین ہے۔

اس غرض کے لئے اُنھون نے ستیارتھ پرکاش لکھی ہے جسمین ویدون کی تفسیر اپنے طبعزاد خیالات کی بناء پر اس عنوان سے کی ہے کہ معنی کو لفظ سے اور شرح کو متن سے کچھ لگاؤ ہی نہ معلوم ہو اور اس طرح اُنھون نے اس دعوی

کو حد ثبوت تک پہونچانے کی کوشش کی ہی کہ دنیا کے ہر مشکل سی مشکل مسئلہ کو حل کرنیوالے وید مقدس ہی ہین - اس طرح پر آریہ مذہب کا تمام سرمایہ بلکہ شہرگ حیات وید ہی رہ جاتے ہین لیکن افسوس ہی کہ جب ہم ان ویدون کے سند واعتبار پر نظر ڈالکر آخر کی کڑی کو اول سے ملانے کی کوشش کرتے ہین تو تاریکی کا ایک موجزن دریا سامنے آجاتا ہی جسمین اختلافات کے پیچ پیچ بھنور نقطۂ تحقیق کو دور سے دور تر بنا دیتے ہین -

اِن ویدون کی اصلیت ایسے پردون میں مخفی ہی جنکا اُٹھانا انکی عقیدت مندون کے امکان سے باہر ہے -

پہلا پردہ

وید کس پر نازل ہوئے" یہی ایک ایسا سوال ہی جو آج تک مسلمہ حیثیت سے طے نہین ہوا ہی سناتن دھرمی صاحبان کا یہ قول ہے کہ دنیا کے شروع مین پرمیشور نے برھما نامی دیوتا کو پیدا کیا اور انہی کو یہ چارون وید پڑھا دیئے بعض حضرات کا یہ خیال ہی کہ وید چار نہین بلکہ ایک ہی تھا جسے برہما نے اپنے شاگردون یعنے رشی لوگون کو پڑھایا تھا اور بہت زمانہ کے بعد وہ ایک سے چار حصون مین تقسیم کئے گئے - یورپ کی سنسکرات دان جماعت کا قول یہ ہے کہ چارون وید چار مختلف زمانون مین تصنیف ہوئے ہین - چنانچہ سب سے پہلے رگ وید ہے جو کہ نہایت قدیم ہی - کچھ سناتنی اصحاب کا یہ بھی قول ہی کہ اول ایک ہی وید تھا لیکن دیاس جی نے اس خیال سے کہ اس زمانہ کے

لوگ اِس قدر محنت نہ برداشت کرسکین گے تو اُسکو ڑہین اُسکو چار حصون مین تقسیم کردیا اور ہر ایک وید کو از بر کرنے والون کے خاص خاص خاندان برہمنون مین مخصوص ہو گئے چنانچہ ویدی (یعنی ایک وید والا) دوبے (دو وید والا) تواری (تین وید والا) چوبے چار وید والا) ابتک برہمنون کی خاص خاص ذاتین بنی ہوئی ہین ۔ اِن سب کے خلاف سوامی دیانند سرسوتی بانی آریہ سماج جو جدت طرازی کے گرویدہ تھے اُنھون نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ چار وید چار شخصون پر نازل ہوے ہین جنکو رشی یا مہرشی کہا جاتا ہے اور وہ چارون آغاز آفرینش مین بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے تھے اور اُن چارون ملہمون سے ہی برہماجی نے چارون ویدون کو پڑھا تھا (تفصیل کے لئے دیکھو کتاب تحفہ آریہ سماج)

پھر بھلا ایک ایسی کتاب کا کیا وزن ہو سکتا ہے جسکے متعلق خود اُسکے ماننے والے ابتک طے نہ کرسکے ہون کہ وہ نازل کس پر ہوئی تھی؟

دوسرا زُہرہ وید خدائی کلام ہے یا مخلوق کا ساختہ؟ یہ بھی ابتک ہندؤون اور آریون مین مسلمہ حیثیت سے طے نہین پایا ہے ۔

کہین تو یہ بلند بانگ دعوےٰ ہے کہ انسانی ایجاد سے مبرا ایشور اور اُس کے احکامات کے مبین کلمات کا نام وید ہے" (دیکھو سرسوتی جی کی کتاب" رگوید آدمی بھاشیہ بھومکا" مطبوعہ اجمیر طبع سوم صفحہ ۲)

اور اسی بنا پر آگے بڑھ کر صفحہ ۲۹ پر ہے کہ" وید اور اُسکے ماسوا جملہ الفاظ قدیم ہین"

حالانکہ قدامت کا دعویٰ اُن تصریحات کے مطابق بالکل باد رہوا ثابت ہوتا ہے
جن مین سلسلۂ تخلیق و تکوین مین ویدون کا تیسرا یا چوتھا نمبر قرار دیا گیا ہے
چنانچہ اتیریہ برہمن مین لکھا ہے۔

"پرجاپتی نے خواہش کی کہ مین ظاہر ہون بہت ہون اُس نے نہایت
غور و خوض سے دیکھا اور اپنے پورے تدبر کے بعد بھوی لوک (کرہ ارض)
انترکش لوک (عالم وسطی) اور دیو لوک (عالم علوی) تین طبقون کو پیدا کیا
پھر ان تینون طبقون کو بنظر غور دیکھکر اُن سے تین جیوتی یعنی شعاعین پیدا
کین طبقہ ارضی سے اگنی وسطی سے وایو اور علوی سے سوریہ اُن تینون
جیوتیون سے نہایت تفحص کے بعد اُس نے تین وید پیدا کئے اگنی سے رگوید
وایو سے یجر وید۔ اور سوریہ سے سام وید"

اور اسی مضمون کی عبارتین شت پتھ براہمن اور گوپتہ براہمن اور
چاندوگیہ اُپ نشد مین بھی موجود ہین۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو پنڈت
ستیہ دیو جی کی کتاب "ویدون کے ظاہر کنندہ" مطبوعۂ بنارس

اور برہنو اُپ نشد کے چھٹے پرشن کے چوتھے منتر مین تو ویدون کا
ساتوان آٹھوان نمبر قرار دیدیا گیا ہے "اُس ہستی مطلق نے پہلے پران کو پیدا کیا
اسکے بعد اُمید کو اسکے بعد خلا ہوا آتش پانی اور زمین کو اسکے بعد حواس
عشرہ اور دل کو اُنکے بعد اناج سے مادہ انسانی کو اُس سے تپ

(ریاضت) کو اس سے منترون کو"

مذکورۂ بالا عبارات مین باوجود اُن اختلافات کے جو موجود ہین اتنا ضرور مشترک حیثیت سے پایا جاتا ہے کہ وید خدا کا کلام براہ راست اُس کے مخلوق ہین۔ لیکن اسکے بالکل برخلاف بعض مقدس کتابون سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان ویدون کے بنانے والے انسانی نوع کے افراد ہین اور اُنکا براہ راست کوئی تعلق خدا سے نہین ہے۔ چنانچہ "ہری بنش پوران ادھیائے، شلوک ۵۰ سے ۵۳ تک لکھا ہے کہ منتر اور ویاکرن اُن عالم علوی مین رہنے والے سات رشیون کے تپ (ریاضت) کا نتیجہ ہین کہ جنھین دنیا دار لوگ ماضی و حال مستقبل تینون زمانون مین صاحب منتر ویاکرن اور باحشمت سمجھ کر سرنگون ہوتے ہین کیونکہ یہ ساتوان رشی سات اوصاف سے متصف عمر دراز منترون کے مصنف مالک کہلاتے ہین" اور پنڈت ستیہ ورت شام شرمی اپنی کتاب (ترئی چتیہ صفحہ ۴) مین تحریر کرتے ہین۔

"وید ہمارے گذشتہ رشیون کے ذریعہ بنائے گئے ہین یہ بالکل صحیح عقیدہ ہے" صاحب میمانسا کسی ایسے شخص کا قول نقل کرنے کے بعد جس کا خیال ہے کہ سمرتیان مستند نہین ہین اسلئے کہ دھرم کا سرچشمہ وید ہے وید کے علاوہ کُل سب غیر مستند یا قابل ترک ہے کیونکہ وہ خدائی کلام نہین"

اس کے جواب مین رقمطراز ہین کہ

"سمرتیان یقینی طور پر مستند ہین کیونکہ ویدون اور سمرتیون دونون کے بنانے والے برہمن ہین"

اس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ وید کے بنانے والے مثل سمرتیون کے مصنفین کے انسان ہین اور وہ خدائی کلام نہین۔

(مہابھارت کا دہارتک اتہاس) صـــ۲۲ مین لکھا ہے کہ "وید کسی خاص کتاب کا نام نہین ہے بلکہ مختلف رشیون کے لاثانی تجربات کے خاص اصولون کے مجموعہ کا نام وید ہے۔

صـــ۳۵ مین ہے پرانے زمانے کے ہندوستانیون نے خود ہی اپنی تاریخ ان ویدون مین جمع کر رکھی ہے"

صـــ۲۶ "سنسکرت زبان مین جامع وید کے مانند اور کوئی کتاب پرانی نہین مگر یہ بھی نہین کہا جا سکتا کہ یہ پانچون جامع ایک ہی وقت مین تھے اور ان مین ایک ہی قسم کا دھرم ظاہر کیا گیا ہو" ادینا اچاریہ کی کتاب کسما نجلی صـــ۴۳

"وید انسانی کلام ہے کلام ہونے کی حیثیت سے مہابھارت کی طرح وید انسانی حکایات ہین"

پھر ایک ایسی کتاب جس کے متعلق خود اُسکے معتقدین اس پر متفق ہون کہ وہ خدا کا کلام ہے وہ دوسرے افراد سے کس طرح اپنے الہامی ہونے کے سامنے سر تسلیم خم کرا سکتی ہے؟!

اور پھر جبکہ خود وید مقدس بھی اپنی ہستی کے پہنچوانے مین انھی لوگون کا ہمخیال ہے جو اُسکے ربانی ہونے کا انکار رکھتے ہین۔ چنانچہ اُس مین صاف طور پر موجود ہے کہ "وید نئے و پرانے رشیون کے گیت ہین" (رگوید ۱۔۱۔۲)

تیسرا پردہ

کاش وہ افراد جنکی طرف اِن ویدون کے تصنیف کی نسبت دی جا سکتی ہے اُن کے نفسانی اوصاف اور اخلاقی کمالات ہی پر ایسی مسلمہ شہادتین موجود ہوتین جو اُنکے کلمات کے سر اور آنکھون پر رکھنے کی سند ہو سکتین لیکن افسوس ہے کہ اِن ویدون کے مصنفین کا ذاتی تقدس اعتبار بھی کوئی مسلمہ حیثیت نہین رکھتا بلکہ مہابھارت کا دہارمک اتہاس" صـ۱۱ مین تو یہان تک ہے کہ تینون ویدون کے بنانے والے ٹھگ چور اور شیطانی خصلت راکشس تھے"

چوتھا پردہ

وید کی حیثیت جو ابتدا مین تھی وہ ایک ہی صورت پر محفوظ بھی نہین رہی بلکہ اُس مین حسب دلخواہ تصرفات ہوتے رہے جنکی بنا پر یا تو وہ کتابین بالکل بدل گئین اور یا اُن مین جا بجا حسب دلخواہ اضافہ ہو گئے۔

چنانچہ مہابھارت کا دھارمک اتہاس صـ۱۲۱ مین ہے "جینیون کی کتابون مین اِس امر کا ثبوت پایا گیا ہے کہ اصل وید اور ہی تھے (بعد کو لوگون نے نئے وید بنا کر اُن مین بہت سی حیوانی قربانیون کا ذکر کر کے اُن کی خوب

اشاعت کی "

صفحہ ۱۳ " آتمارام جینی کا بھی قول ہے کہ پرانے چار وید جین دھرم کو تسلیم تھے مگر جب سے برہمنون نے اِن مین ملاوٹ کر دی تب سے وہ غیر معتبر کر دیئے گئے

صفحہ ۳۷ " ویدک دھرم کی پہلی تواریخی حالت کی نسبت رگوید ہی سب سے زیادہ مستند ہو سکتا ہے "

صفحہ ۳۸ ساتھ ایک بات اور بھی ہے تمام رگوید سے ایک ہی وقت کا دھرم بھی ظاہر نہین ہوتا بلکہ نسبتہً اُسکا بھی کوئی کوئی حصہ نیا اور پُرانا ہے۔

پانچوان پردہ

وید کے تعلیمات کسی محدود زمانہ کے لئے نہین بلکہ غیر محدود تھے اسکی بھی کوئی ضمانت نہین ہے جبکہ ہندوؤن کی کتابون مین یہان تک موجود ہے کہ " اسوقت وید بلا زہر کے سانپ کے مانند بے اثر ہے۔ اسوقت وید منتر بلاجان کے جانورون کی طرح مُردہ ہین۔

منتر دیوار پر کشیدہ پتلیون کے مانند ہین جیسے اُن پتلیون کی تصویرون مین بظاہر تمام حواس نظر آتے ہین مگر حقیقت مین بالکل بے حس و حرکت ہوتی ہین اُسی طرح اس زمانہ مین وید منتر بھی بظاہر تو فائدہ مند معلوم ہوتے ہین مگر اثر کے لحاظ سے قطعی بے سود ہین۔ جیسے بانجھ عورتون سے صحبت کرنے مین کچھ فائدہ نہین ہوتا اِسی طرح فی زمانا وید منترون سے کچھ حاصل نہین ہوتا "۔

(شاستری پرمی جلد نمبر ۸ صفحہ ۳۶ بحوالہ مہانروان تنتر)

(مذکورہ بالا مضامین کی اصل عبارتون کے لئے ملاحظہ ہو پنڈت ستیہ دیو جی کی کتاب "وید کیا چیز ہے" مطبوعہ جونپور ۱۹۲۶ء)

کیا اتنی کمزوریان جس کتاب مین پائی جاتی ہون یعنی جس کی اصل معلوم نہو کہ وہ کس پر نازل ہوئی؟ وہ الہامی ہی بھی یا انسانون کی بنائی ہوئی ہے؟ اُسکے بنانے والے پاکباز اور پاک طینت افراد تھے یا بقول بعض ٹھگ چور وغیرہ؟ اور پھر اُس کا سابقہ حیثیت پر باقی رہنا بھی مشکوک ہو جسکی بنا پہ اُس کے کسی جزو کے اوپر یقینی طور پر حکم نہ لگایا جا سکتا ہو کہ وہ خدا کا کلام ہے اور ان تمام جہتون سے معتبر مان لینے کے بعد اُسکے موجودہ زمانے مین قابل عمل ہونے پر بھی کوئی دلیل نہو وہ کسی منظم با اصول مذہب کیلئے قابل عمل اور اقوام عالم کے سامنے پیش کرنے کے قابل ہو سکتی ہے؟ کیا یہ دیدہ دلیری نہین تو کیا ہے کہ آریہ اپنے وید مقدس کی ایسی کمزوریون کے باوجود دنیا کو وید کیطرف دعوت دیتے ہین اور اُس پر طرہ یہ کہ قرآن مجید کے قدس و عظمت پر حرف گیری کرتے ہین، کیا وہ دنیا کو ہمیشہ اپنے کتب کے اندرونی حالات سے بیخبر رکھ سکتے ہین؟

کیا عالم کی آنکھون پر غفلت کے پردے اسطرح پڑ سکتے ہین کہ روشنی و تاریکی مین فرق محسوس نہو؟ درحقیقت وید کی تاریخ اس حد پر تخیلات و توہمات سے ڈھکی ہوئی ہے کہ اُسمین سے ایک ذرہ بھی حقیقت کا دریافت ہونا دشوار نہین بلکہ ناممکن ہے

قرآن کریم کے امتیازی خصوصیات

مذکورہ بالا کتب کے مقابلہ مین جب ہم اسلامی کتاب "قرآن کریم" پر نظر ڈالتے ہین تو وہ ان تمام کمزوریون سے بلند نظر آتی ہے جنکے باعث سے توریت یا انجیل یا وید کے اعتبار کو صدمہ پہونچا ہے بلکہ اُسکی تاریخ ایسے خصوصیات پر مشتمل ہے جو اُسکے استناد اور اعتبار کے ضامن ہین۔

پہلی خصوصیت اُمت اسلامیہ کہ جو قرآن مجید کی امانت دار اور اُسکی حفاظت ونگہداشت کی براہ راست ضامن سمجھی جا سکتی ہے وہ حقیقی معنی مین باختلاف زمانہ اُسکے صحیح تعلیمات سے کتنی دور ہو گئی ہو اور اسکی بناء پر اہل معنی اُس پر ارتداد کا حکم لگا دین لیکن ایسا کوئی وقت نہین آیا کہ اُس نے ظاہر نظاہر قرآن کا دامن اپنے ہاتھ سے چھوڑا ہو اور اسلام کے اصول ساسی کو چھوڑ کر کفر وشرک اختیار کیا ہو بلکہ جس وقت سے مسلمانون نے دنیا کے وجود مین قدم رکھا اُنکی تعداد زیادہ سے زیادہ ہوتی رہی اور وہ برابر اسلام کو اپنا نشان قومیت اور قرآن کو اپنا طرہ دستار بنائے رہے۔

ساڑھے تیرہ سو صدی مین تاریخ کسی ایسے وقت کا پتہ نہین دے سکتی جس مین مسلمانون نے قرآن مجید سے روگردانی اور اسلام سے کنارہ کشی کی ہو

دوسری خصوصیت قرآن مجید کے متعلق ابتداء ہی سے کوئی پابندی

عائد نہین کی گئی کہ اُس کا نسخہ کسی خاص شخص یا جماعت کے پاس محدود رہے بلکہ عام طور پر مسلمانوں کو یہ حق حاصل رہا کہ وہ اسے لکھین نقل کرین اور ازبر یاد کرین۔

رسالتمآبؐ کی حیات مین آیتین جو متفرق طور پر نازل ہوتی رہتی تھین وہ فوراً صحابہ کے گوش گذار کردی جاتی تھین اور برابر مختلف صحابہ اُن آیتون کو جو اُن تک پہونچتی تھین اپنے پاس لکھتے رہتے تھے اور اس طرح اگرچہ قرآن مجید ایک کتاب کی صورت مین جمع نہ ہوا ہو لیکن کافی ذخیرہ اُسکا کثیر التعداد اشخاص کے پاس مکتوبی صورت مین یا سینون کے اندر محفوظ تھا۔

عوض اسکے کہ کوئی پابندی عائد ہوتی برابر جناب رسالتمآبؐ کی جانب سے قرآن مجید کی زیادہ سے زیادہ مقدار کو حفظ کرنے کی ہدایت ہوتی تھی اطراف و جوانب مین قرآنی تعلیم کے لئے لوگ روانہ کئے جاتے تھے اور قرآن کا زیادہ مقدار مین علم رکھنے والے کے لئے مخصوص امتیازات مقرر تھے۔ حضرت رسولؐ کے انتقال کے بعد بھی یہ صورت قائم رہی اور حضرت عمر نے نماز تراویح کی ایجاد کرکے حفظ قرآن کی اہمیت مین ایک باب کا اضافہ کردیا اور اب پورا قرآن نمازون مین ختم کیا جانے لگا اور جتنا اسلام کا دائرہ وسیع ہوگیا۔ اتنا قرآن مجید کے نسخ مین اضافہ ہوا اور دور دور کے شہرون تک قرآن کے نسخہ نقل کراکر بھیجے گئے۔ یہانتک کہ بوقت واحد ہزارہا نسخہ اسکے طول و عرض دنیا مین منتشر نظر آنے لگے۔

اس طرح اُن توہمات کا بالکل قلع قمع ہو گیا جو توریت و انجیل کے اندر یہود و نصاریٰ کی سیکڑوں برس تک پردہ داری نے پیدا کر دیئے تھے۔

تیسری خصوصیت قرآن مجید اپنی اصلی زبان (عربی) مین موجود ہے اور صرف موجود نہین بلکہ ہر مسلمان قرآن صرف اُسی کو سمجھتا ہے جو مخصوص الفاظ پر مشتمل ہے اُنکے شرعی احکام بھی اسی قرآن سے تعلق رکھتے ہین نماز مین اُسکا پڑھنا لازم اور دیگر مواقع پر اُسی کی تلاوت اجر و ثواب کی باعث قرار دی گئی ہے رہ گئے تراجم وہ صرف ناواقف افراد کے لئے معانی سمجھنے کا ذریعہ ہین، قرآنی احکام سے اُنکو کوئی تعلق نہین برخلاف توراۃ و انجیل کے کہ انجیل متی کا تو اصلی زبان والا نسخہ ہی دنیا مین موجود نہین ہے۔ اور دوسرے اناجیل و کتب عہدین اگرچہ اصلی زبانوں مین موجود ہین لیکن خود اُنکے ماننے والے اُنکے الفاظ کو کوئی اہمیت نہین دیتے اس لئے ہر سال ہزاروں زبانون مین اُنکے ترجمے شایع ہوتے ہین اور عیسائی مبلغین ہر عیسائی جماعت مین داخل ہونے والے کو اُسی زبان کی انجیل و توراۃ دیتے ہین جسکا وہ جاننے والا ہے لیکن عبرانی نسخہ توراۃ و انجیل کا اُسکی عام طور پر مسیحی افراد پڑھنا تو درکنار صورت تک نہین دیکھتے۔

چوتھی خصوصیت قرآن مجید کے آیات کو متفرق طور پر خود رسالت مآب بوقت وحی ہی قلمبند کرا لیا کرتے تھے اور پھر اُن متفرق

آیات کو بعد حضرت کی وفات کے جمع کیا ایسے افراد نے جو حضرت کی صحبت
مین بیٹھے ہوئے اور حضرت کے مدرسۂ فیض کے تعلیم یافتہ تھے اور اس طرح وہ
کمزوری جو اناجیل مین اس طرح پیدا ہوگئی کہ اُنکے لکھنے والوں میں سے بیشتر افراد نے
عیسیٰ کی صورت بھی نہ دیکھی تھی قرآن کریم مین پائی نہین جاتی۔

پانچوین خصوصیت

قرآن مجید کی ابتدا و انتہا۔ اُسکا اسلوب اور طریقۂ بیان
سب اُسکے کلام الٰہی اور منزل من اللہ ہوئے کا منادی
ہے۔ وہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تاریخ زندگی نہین ہے جسمین
اُنکی ولادت سے لیکر وفات تک کے تفصیلی حالات کا تذکرہ ہو اور نہ اُس مین
ایسے واقعات کا تذکرہ ہے جو رسُول کی وفات یا اُسکے بعد سے تعلق رکھتے ہون
جنکی بنا پر اُسکے رسول پر نازل ہونے مین شبہہ کیا جائے اور نہ اُس مین غیر خدا
کسی کی زبان سے اِس قسم کے فقرات ہین کہ اِسکو مین نے مستند راویون
کے کلام سے اخذ کر کے لکھا ہے اور یہ واقعات ہین جنھین کسی صحابی نے چشم دید
مشاہدہ کی بنا پر نقل کیا ہے جس کا نمونہ ہم عیسائیون کے اناجیل مین دکھلا چکے
ہین بلکہ اُس مین ہر ہر جملہ اس خصوصیت کا خزینہ دار ہے کہ وہ خدا کی جانب سے
نازل شدہ کلام ہے۔ اُس نے انا انزلناہ فی لیلۃ القدر۔ انا نحن نزلنا
الذکر وغیرہ آیات مین اُسکے تنزیل من اللہ کا صراحت کے ساتھ اعلان کیا اسیطرح
اُسین ہر موقع پر ماضی وحال کے واقعات مین توازن کو ملحوظ رکھکر اپنے زمانہ

نزول کی تعیین مین واہمہ پردازیون کا سد باب کردیا اُس نے رسُول کی وفات کا بھی تذکرہ کیا ہے تو اس طرح کہ افئن مات او قتل نقلبتم علی عقابکم جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ رسولؐ کی زندگی کا کلام ہے نہ یہ کہ وہ انجیل کی طرح رسول کی وفات کے گذشتہ واقعہ ہونے کی بنا پر اُس پر نوحہ سرائی کے لئے بیٹھ جاتا جو اُسکے رسول کے بعد نوزائیدہ ہونے پر قطعی دلیل ہوتی۔

چھٹی خصوصیت قرآن مجید کی اصلیت و حقیقت کے متعلق مسلمانون کی اندر باوجود آپس کے ہزارہا گونا گون اختلافات کے کوئی اختلاف نہین ہے بلکہ وہ متفقہ حیثیت سے اس نقطہ پر مجتمع ہین کہ قرآنجید خداوند عالم کا نازل کردہ رسول عربی محمد مصطفے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نازل شدہ ہے اور یہ کہ اُس مین کسی انسان کی ساخت و پرداخت کو کوئی داخل نہین ہے اس طرح دید مین اُسکے ماننے والون کے ایک نقطہ پر مجتمع ہونے کی حیثیت سے جو کمزوری پائی جاتی ہے اُس سے قرآن مجید پاک و منزہ ہے۔

ساتوین خصوصیت قرآن مجید کے متعلق اُسکے ماننے والے اس امر پر متفق ہین کہ وہ دنیا کے آخری نقطہ تک کیلئے رہنما بنا کر بھیجا گیا ہے اور یہ کہ وہ کسی خاص زمانے سے مخصوص نہین ہے۔ اُس کے تعلیمات دنیا مین بقاء و دوام کے مالک ہین اور اُسکے ہدایات زمانہ کے ہر جزو کے لئے مساوی طور پر فائدہ مند ہین اور اسطرح وہ ہر زمانہ مین خود بھی اپنی طرف دعوت

دیتا ہے اور اُس کے معتقدین کے لئے بھی عالم بھر کو اسکی دعوت دینے کا حق ہے۔

آٹھوین خصوصیت یہ قرآن جب سے عالم وجود مین آیا، اسکے ہر ہر لفظ اور ہر جملہ کی جانچ پڑتال ہوتی رہی اور ذمہ دار افراد کی توجہ اسکی کتابت وحفظ کے سلسلہ مین اصلی الفاظ کی نگہداشت اور معمولی سے معمولی خصوصیت حتیٰ اعراب وطریق ادا، وغیرہ کے متعلق ذرہ ذرہ بینی پر منعطف رہی اور اس طرح قرآن مجید مین کسی غیر معلوم تصرف یا تحریف کا امکان باقی نہین رہا جو اُس کے سند واعتبار کو صدمہ پہونچانے کا باعث ہو۔

قرآن کریم آپ اپنا معیار ہے

ارباب قلم کی علمی و ادبی شاہکارین جو کسی پہلو سے امتیاز کا درجہ حاصل کرلیتی ہین۔ انہین قلم کار نگ ڈھنگ اہل نظر کی نظر کو ایک خاص پیمانہ کا عادی بناکر انکی قوت ادراک کو امتیاز کا جوہر دیدیا کرتا ہے جسکی بناء پر ایک نادیدہ عبارت بھی اُنکے سامنے پیش ہو تو وہ فیصلہ کردیتے ہین کہ یہ اُس کتاب یا مضمون کا جزو ہے یا نہین چہ جائیکہ قرآن مجید جو اپنے مخصوص طرز ادا اور اسلوب بیان مین اُس امتیاز کو لے کر دنیا کے سامنے آیا تھا جس نے عالم انسانیت کے ہر جزو وکل کو اپنے معارضہ کی دعوت دے کر اُنسے عجز کا اعتراف

کرالیا اور جس کے سامنے تمام قوائے عمل اور انسانی ذرائع و اسباب نے اپنی شکست کا اقرار کرکے اُسکی کامل فتحیابی کی تصدیق کردی۔ اُس نے زیادہ سے زیادہ مطالبہ مین پوری کتاب اور کم سے کم مین اپنے مختصر ترین سورہ کو پیش کرکے دعوائے یکتائی کیا اور زمین و آسمان کی درمیانی فضا نے صدیان گذرنیکے بعد بھی ساکن رہ کر اپنے خاموش نغمون سے اُسکے دعوے کی گواہی دی۔ اُسکا مخصوص طرز بیان و طریقۂ ادا صرف آیات کے فصل و وصل اور اُنکے اختتامی فواصل مین مضمر نہین ہو جس کا تتبع ایک انشاء نگار کے لئے دشوار ہو ورنہ علی محمد باب کی کتاب البیان اور مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی حمامۃ البشریٰ و خطبہ عیدالاضحیٰ مین اس جوہر کی کمی نہین ہے بلکہ وہ اُسکے الفاظ کی نشست اور جملون کے جوڑ پیوند اور عبارات کی ساخت و پرداخت اور الفاظ و معانی کے مخصوص توازن و تناسب مین اُس حیرت انگیز پیرایہ کا نام ہو جس نے غیرون کو جادو اور اپنون کو معجزہ کہنے پر مجبور کیا۔ اسی کا نتیجہ ہو کہ جب فصیح سے فصیح عبارت مین قرآن مجید کا ایک جملہ آجاتا ہے تو وہ اس طرح نمایان ہوتا ہے جیسے سنگریزون مین موتی اور نہین تو ستارون مین ماہتاب اور اس بنا پر کسی ایک جزو کلام کے متعلق جسمین جزو قرآن ہونے کا شبہ ہو یہ سمجھ لینا بہت آسان ہو کہ حقیقۃً وہ قرآن کا جزو ہے یا نہین۔ اسی بنا پر ہم کہتے ہین کہ قرآن خود آپ اپنا معیار ہے۔

اگر درایت کوئی چیز ہے اور روایت کا درایت پر انطباق عقلی بنیاد پر

ضرور ہے تو کسی راوی کا قول کہ فلان سورہ یا آیت قرآن کا جزو تھا اُسوقت
تک قابل اعتماد نہین جب تک وہ خود اپنے جزو قرآن ہونے کی گواہی نہ دیگا اور
اور اس طرح خواہ اہل سنت کا روایتی سورہ حفد و خلع ہو یا بعض شیعون کا سورہ
ولایت کسی صورت پر جزو قرآن تسلیم نہین کیا جا سکتا اسلئے کہ جب اُس کو مسلمہ آیات
قرآن کے پہلو مین رکھ کر دیکھتے ہین تو وہی نسبت معلوم ہوتی ہے جو سنگریزون
کو گوہر شاہوار سے۔

اور اس طرح اکثر اُن آیات کی بھی حقیقت کھلجاتی ہے جنکے متعلق رطب
یابس جمع کرنے والے محدثین نے جزو قرآن ہونے کے روایات نقل کر دیے ہین

یہ نوین خصوصیت ہے قرآن مجید کی جو اُسکے علاوہ دوسری آسمانی کتابون
مین نہین پائی جاتی کیونکہ اُن کتابون مین کوئی قدر متیقن یعنے تعین کے ساتھ
یقینی جزو موجود ہی نہین ہے جس کو ہم شک و شبہہ کی صورت کا معیار قرار دین برخلاف
قرآن مجید کے کہ وہ یقینی حیثیت سے اتنا کہ جو مسلمانون کے ہاتھون مین موجود
ہی باتفاق کل اور روایت و درایت دونون کے اعتبار سے خدا کا کلام ہی اور
وہی مشکوک و مشتبہ صورتون کے لئے معیار بننے کی صلاحیت رکھتا ہی پھر دوسری
کتابون مین لفظ و معنی اور انداز بیان کے اعتبار سے کوئی ایسی خصوصیت بھی
مضمر نہین ہے جو کسی دوسرے کلام کو اُس سے لگاؤ نہ رکھنے دے لیکن قرآن مجید
وہ اپنے ذاتی خصوصیات کی بنا پر خود اپنا معیار بننے کے قابل ہے اور اس طرح

Prog: 14621, H.L. 9092

وہ خود بے اصل توہمات کا سد باب اور بے باکی بات بنانیوالونکی زبان بندی کے لئے کافی اور مہیا ہے -

سند حجیت یا میزان اعتبار

زمانہ کے اجزا اپنے حوادث سمیت گذرنے والے ہین اور اُسمین پیدا ہونے والی مخلوق سلسلۂ تدریج کی پابند ہے اور اس لئے آخر مین پیدا ہونے والی نسلین اولین اسلاف کے برکات سے اُسوقت تک بہرہ مند نہین ہوسکتین جبتک وسطی طبقے امانت داری کے ساتھ اُنکے پس انداز جواہر کو خود محفوظ رکھکر اُنکے سپرد نہ کرین - یوہنی آخر کی کڑی اول سے اور مستقبل کا سلسلہ ہزارون برس قبل کے ماضی بعید سے متصل ہو جاتا ہے - گذشتہ مصنفین کے علمی و ادبی جواہر بکہ یوہنی مسلم حیثیت سے موجود پائے جاتے ہین کہ مستند رواۃ اور معتمد ناقلین نے دست بدست اُنکی نگہداری کرکے امانت کے فرض کو انجام دیا ہے اور باخبر افراد نے اُنکے انتساب کی مسلمہ طور پر تصدیق کرکے اُس مین شک و شبہہ کی گنجایش باقی نہین رکھی یہی تواتر جو کثیر التعداد راویون کے متفقہ بیانات سے یقینی طور پر ثبوت بہم پہونچنے کا نام ہے کسی کتاب کے یقینی حیثیت سے صحت و اعتبار کا ضامن ہو لیکن اِسکے بعد بھی وہ کتاب اُسوقت مشکوک ہو جائیگی جب مسلمہ شہادات سے اُسکا محرف ہونا ثابت ہو جائیگا اس طرح کہ اُسکے ہر ہر جزو مین احتمال زیادتی و کمی

کا پیدا ہو یعنے اجمالی طریقہ سے اِس امر کا علم ہو کہ اُسمین کچھہ زیادتی ہوئی ہے یا ایسی کمی جس نے اُسکے مطلوبہ اغراض و مقاصد پر اثر ڈالکر اُسکو ناقص بنا دیا ہے۔

اس صورت مین اُس کا ہر جزو شک و شبہہ کا مرکز بنجائیگا اور کسی جزو پر بھی اُسکے یقینی طور پر حکم نہ لگایا جا سکیگا کہ وہ اصل کتاب کا جزو ہے لہذا مجموع کتاب کے ساتھ اُسکے ہر جزو پر بھی اعتماد پیدا ہونے کے لئے دو باتون مین سے کسی ایک بات کی ضرورت ہے

(۱) مستند وجوہ کی بنا پر اُسکے کسی جزو مین بھی زیادتی و کمی کے شبہہ کا سد باب ہو گیا ہو اور اُس مین کسی ایک کلمہ کے بھی زیادہ و کم ہونے کا ثبوت نہو۔

(۲) اگر اس امر کا یقین ہو کہ اُس مین کہین زیادتی یا کمی ہوئی ہے تو مستند وجوہ کی بنا پر اُس زیادتی و کمی کے مقامات اور اُنکی نوعیت کا علم ہو گیا ہو اور بقیہ حصہ کے متعلق کوئی ضمانت ہو جو اُسکے حجیت و اعتبار کی قطعی طور پر دستاویز سمجھی جا سکے

اسی طرح اُس کتاب پر اعتقاد رکھنا حق بجانب اور اُس پر عمل کرنا اور پابند ہونا صحیح و جائز ہوگا۔ ایمان بالقرآن کے اگر صرف یہ معنی ہون کہ حقیقی کتاب جو رسول نے قرآن کریم کے نام سے پیش کی تھی وہ یقیناً خدا کا کلام اور سچا معجزہ ہے تو اُسکے لئے موجودہ اجزاء قرآن مین کسی بحث و تمحیص کی ضرورت نہین ہے کیونکہ ایسا ایمان مسلمانونکو توریت و انجیل اور دیگر کتب سابقہ پر بھی لازم ہے باوجودیکہ اُنکا وجود دنیا مین باقی نہین اور جو موجود ہین وہ حقیقی توریت یا انجیل کہنے کے قابل نہین ہین لیکن اگر ایمان بالقرآن کے معنی یہ ہین کہ موجودہ اجزاء قرآن پر جو بین الدفتین موجود ہین اعتقاد رکھکر اُس کے

کلام خدا اور اُسکے ہر جزو کے مستند اور واجب العمل ہونیکا یقین رکھیں اور یہ ایک مخصوص امتیاز ہو جو تمام کتب سابقہ کے مقابلہ مین قرآن مجید کو حاصل ہے تو اس ایمان بالقرآن کے لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اُس مین تحریف و تبدیل کے احتمال کا سد باب ہو جائے یا اُن موارد کی تعیین ہو جنمین نقص و زیادتی کا شبہہ ہے اور بقیہ حصہ کے متعلق ایسے وجوہ ہون جو اُس کے اعتبار و استناد کی قطعی دلیل سمجھے جا سکتے ہین۔

قرآن کریم کی نسبت فریقین کا زاویۂ نگاہ۔ تحریف قرآن کے روایات اور اُنکا سند و اعتبار کے معیار سے تطابق، ایمان بالقرآن کی اصلیت۔ اور طرفین کے مذہبی اصول کا توازن

مذکورہ بالا اصول اور میزان اعتبار کی بنا پر جب ہم عام اسلامی جماعت کے اُن محدثین و مورخین کے بیانات پر نظر ڈالتے ہین کہ جو اپنے تئین ایمان بالقرآن کا واحد ٹھیکہ دار بتا کر دوسرون پر ایمان بالقرآن نہ رکھنے کا الزام عائد کرتے ہین تو اُن بیانات مین ایسی کمزوریان نظر آتی ہین جنسے قرآن مجید کا تواتر اور اُسکے صحت و اعتبار مین طرح طرح کے شبہون کا پیدا ہو جانا ناگزیر ہے

اور اگر انھیں صرف انہی محدثین و رواۃ کے زاویۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو کسی صورت سے ایمان بالقرآن کا دعویٰ حق بجانب معلوم نہیں ہوتا۔

جمع قرآنکی کیفیت

اس سلسلہ مین حسب ذیل واقعات اُس جماعت کے مستند کتب احادیث و سیر مین درج پائے جاتے ہین۔

(۱) قرآن مجید جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ مین اگرچہ متفرق طور پر قلمبند ہو چکا تھا لیکن کتاب کی صورت مین اُسکی جمع و تدوین نہوئی تھی جس کی تصریح ائمہ فن کے حسب ذیل بیانات مین صاف طور پر پائی جاتی ہے۔

قال الدیر عاقولی فی فوائدہ حدثنا ابراہیم بن بشار حدثنا سفیان بن عیینۃ عن الزہری عن عبید عن زید بن ثابت قال قبض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولم یکن القران جمع فی شئی۔

"دیر عاقولی نے اپنی سلسلہ وار سند سے خود زید بن ثابت جامع قرآن کی زبانی نقل کیا ہے کہ جناب رسالتمآبؐ نے انتقال کیا ایسی حالت مین کہ قرآن یکجا صورت سے جمع نہین ہوا تھا (اتقان سیوطی ج ۱ صفحہ ۵۸)

اور خود حافظ سیوطی نے مسلم کی ایک حدیث کی توجیہ کرتے ہوئے اسکا مسلّمہ حیثیت سے اعتراف کیا ہے اور لکھا ہے۔

قد کان القران کتب کلہ فی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکن کان غیر مجموع فی موضع واحد ولا مرتب السور "قرآن عہد حضرت

رسُول مین پورا مرتب ہو چکا تھا لیکن وہ ایک جگہ پر جمع نہ تھا اور نہ اُسکے سورے مرتب تھے (اتقان صفحہ ۵۹)

خطابی نے اس مسلمہ حقیقت کی اپنے مذاق پر توجیہ بھی کی ہے جسکو علامہ سیوطی حسب ذیل الفاظ مین نقل کرتے ہین قال الخطابی انما لم یجمع القرآن صلے اللّٰہ علیہ وسلم فی المصحف لما کان یترقبہ من ورود ناسخ لبعض احکامہ او تلاوتہ"۔ حضرت نے قرآن مجید اس لئے مصحف مین جمع نہین کیا تھا کہ آپکو خیال تھا شاید کوئی حکم یا آیت اسکی منسوخ ہو جائے (صفحہ ۵۸)

بیہقی ہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی بھی ازالۃ الخفا مین تحریر فرماتے ہین

"آن تا آخر زمان آنحضرت مجموع در مصاحف نبود"

اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی تفسیر حقانی کے مقدمہ مین رقمطراز ہین

"آنحضرت نے اپنی حیات مین تمام قرآن لکھوا کر ایک جلد مین جمع نہین کیا ہے" (صفحہ ۸۳)

(۲) حضرت رسُول کی وفات کے بعد فوراً ہی عام طور پر صحابۂ کرام نے جمع قرآن کی ضرورت محسوس نہین کی بلکہ اُن اشخاص پر اعتماد رہا جو متفرق طور سے اپنے سینون کے اندر قرآن کے آیات اور سورون کو محفوظ کئے ہوئے تھے اسکے بعد جب فتنہ ارتداد نے زور پکڑا اور لڑائیون کا سلسلہ شروع ہوا اور یمامہ کی جنگ مین کثیر جماعت حفاظ مین سے قتل ہو گئی اُسوقت حضرت عمر کو

قرآن مجید کے جمع وتالیف کی ضرورت محسوس ہوئی جسکے لئے زید بن ثابت کو منتخب کیا گیا اور اسکا تذکرہ صحیح بخاری "باب جمع القرآن" مین حسب ذیل صورت سے موجود ہے ۔

ان زید بن ثابت قال ارسل الی ابو بکر مقتل اهل الیمامة فاذا عمر بن الخطاب عنده فقال ابو بکر ان عمر اتانی فقال ان القتل قد استحر یوم الیمامة بقراء القران وانی اخشی ان یستحر القتل بالقراء بالمواطن فیذهب کثیر من القران وانی اری ان تأمر بجمع القران قلت لعمر کیف تفعل شیئا لم یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم قال عمر هذا والله خیر فلم یزل عمر یراجعنی حتی شرح الله صدری لذلک ورأیت فی ذلک الذی رأی عمر قال زید قال ابو بکر انک رجل شاب عاقل لا نتهمک وقد کنت تکتب الوحی لرسول الله صلی الله علیه وسلم فتتبع القران فاجمعه فوالله لو کلفونی نقل جبل من الجبال ما کان اثقل علی مما امرنی به من جمع القران قلت کیف تفعلون شیئا لم یفعله رسول الله صلی الله علیه وسلم قال هو والله خیر فلم یزل ابو بکر یراجعنی حتی شرح الله صدری للذی شرح له صدر ابی بکر وعمر فتتبعت القران اجمعه من العسب واللخاف وصدور الرجال حتی وجدت اخر سورة التوبة مع ابی خزیمة الانصاری لم اجدها مع احد غیره لقد جاءکم رسول من انفسکم عزیز علیه ما عنتم

حریص علیکم حتی خاتمۃ البراءۃ وکانت الصحف عند ابی بکر حتی توفاہ اللہ ثم عند عمر حیاتہ ثم عند حفصۃ بنت عمر۔

زید بن ثابت کا بیان ہے کہ مجھکو ابو بکر نے اہل یمامہ کے قتل ہونے کے بعد بلوا بھیجا، وہان عمر بن الخطاب بھی موجود تھے، حضرت ابو بکر نے کہا کہ بھئی عمر میرے پاس آئے اور اُنھون نے کہا کہ یمامہ کی جنگ مین حفاظ قرآن کا تھراؤ ہو گیا ہی اور مجھے خوف ہے کہ یونہی دو تین لڑائیون مین اگر حفاظ قرآن مارے گئے تو قرآن مجید کا کثیر حصہ ہاتھ سے جاتا رہیگا۔ لہذا میری رائے یہ ہے کہ آپ قرآن مجید کے یکجا جمع کئے جانے کا حکم دیجئے، مین نے یہ سُنکر ان سے کہا کہ بھلا ایسی بات کیونکر کرسکتے ہو جس کو رسالتمآب نے نہین کیا تھا؟ عمر نے کہا کہ یہ بات تو خدا کی قسم اچھی ہی اچھی ہے اِسکے بعد سے برابر عمر مجھ سے اس امر مین تبادلۂ خیالات کرتے رہے یہان تک کہ خدا نے میرے دلکو اس امر کے لئے کشادہ کر دیا اور میری بھی رائے اُنکی رائے کے موافق ہوگئی۔

(پھر زید بن ثابت کو مخاطب کرکے) تم نوعمر جوان سال اور عقلمند آدمی ہو اور تم پر ہمین اعتماد ہے اور تم حضرت رسولؐ کے لئے وحی کی کاتب بھی رہ چکے تھے لہذا تم قرآن مجید کو مختلف مقامات سے تتبع کرکے جمع آوری کے کامکو انجام دو۔ (زید کا بیان ہے) یہ سننا تھا کہ میرے حواس اُڑ گئے خدا کی قسم اگر مجھپر کسی پہاڑ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لیجانے کو کہا جاتا تو وہ میرے اوپر اتنا ہی گران

ہوتا جتنا کہ اُسوقت یہ جمع قرآن کا حکم گران تھا میں نے کہا کہ آخر آپ لوگ ایسی بات کیونکر کرینگے جو رسالتمآبؐ نے نہین کی تھی، حضرت ابوبکر نے کہا یہ تو مفید کام ہے اور اسمین اچھائی ہی اچھائی ہے، اسکے بعد بار بار حضرت ابوبکر مجھ کو ٹوکتے رہے یہان تک کہ مین بھی حضرات ابوبکر و عمر کا ہمخیال ہو گیا اور مین نے قرآن مجید کو درخت کی چھالون اور پتھر کے ٹکڑون اور لوگون کے سینون سے کہ جنمین اُس کے متفرق آیات محفوظ تھے جمع کرنا شروع کیا یہان تک کہ سورۂ توبہ کا آخری حصّہ لقد جاء کم رسول من انفسکم الخ مجھکو صرف ابو خزیمہ انصاری کے پاس موجود ملا۔ یہ جمع شدہ صحیفے حضرت ابوبکر کے پاس رکھے گئے اور اُن کے بعد حضرت عمر اور پھر حفصہ بنت عمر کی طرف منتقل ہوئے (بخاری مطبوعہ کرزن پریس دہلی صفحہ ۷۴۵)

حضرت ابوبکر کے اِس فقرے سے کہ کیف تفعل شیئاً لم یفعل رسول اللہؐ اور اِسی طرح زید بن ثابت کے کہنے سے کہ کیف تفعلون شیئاً لم یفعلہ رسول اللہؐ صاف ظاہر ہے کہ قرآن مجید رسالتمآبؐ کے زمانے مین جمع نہوا تھا اور اب اسکے مقابلہ مین حاکم کی اِس روایت کا وزن باقی نہین رہتا کہ قرآن جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ مین جمع ہو چکا تھا اور یہ کہ زید بن ثابت کا بیان ہے کنا عند النبی صلے اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع "ہم حضرت رسولؐ کے زمانہ مین قرآن مجید کو مختلف کاغذ کے پرزون سے جمع کرتے تھے" جبکہ امام بخاری کی روایت اسکے خلاف

ہے اور پھر زید کی یہ روایت صریحی طور سے اس امر کو تبلاتی بھی نہین کہ قرآن کے اجزا کتاب کی صورت مین یکجا جمع کئے جا رہے تھے - چنانچہ حافظ سیوطی نے اِس روایت کو نقل کرنے پر امام بیہقی کی توجیہ نقل کردی ہے کہ یشبہ ان یکون المراد بہ تالیف ما انزل من الآیات المتفرقۃ فی سورھا وجمعھا فیھا باشارۃ النبی صلے اللہ علیہ وسلم - قرینی احتمال یہ ہے کہ اس جمع و تالیف سے متفرق آیات کو مقررہ سورون کے آیات کے ساتھ ملا کر یکجا کرنا مراد ہو جس کا رسالتؐ مآب نے حکم دیا تھا (اتقان ج ا صنہ)

دوسری بات جو بخاری کی حدیث سے صاف طور پر ثابت ہو وہ یہ کہ قرآ مجید کے جمع و تالیف کا کام صرف ذاتی اعتماد کی بنا پر انفرادی حیثیت سے زید بن ثابت کے سپرد کر دیا گیا تھا اور اس بنا پر زید بن ثابت نے جتنی بھی جھان بین کی ہو اور جس کدو کاش سے بھی اُس کو جمع کیا ہو لیکن مجموعی حیثیت سے اُسکی صحت و اعتبار کا انحصار زید بن ثابت ہی کی امانتداری و وثاقت پر رہ جاتا ہے -

اور پھر زید بن ثابت کا یہ بیان کہ "مین نے قرآن مجید کو متفرق درخت کی چھالون اور پتھر کے ٹکڑون اور مختلف لوگون کے محفوظات کا تتبع کرکے جمع کیا" اس امر کی صریحی دلیل ہے کہ قرآن مجید اُسوقت مجموعی حیثیت سے کسی شخص کو بھی صحابہ میں سے یاد نہ تھا ورنہ اتنی زحمت برداشت کرنے کی ضرورت نہ پڑتی

(۳) زید بن ثابت کا انتہائی اہتمام یہ تھا کہ وہ کسی آیت کو اُسوقت تک

درج نہ کرتے تھے جب تک دو عادل لوگوں کی گواہیاں حاصل نہوتی تھیں چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہیں۔ قد اخرج ابن اشتہ فی المصاحف عن لیث بن سعد قال اول من جمع القرآن ابو بکر و کتبہ زید بن ثابت وکان الناس یاتون زید بن ثابت فکان لا یکتب آیۃ الا بشاھدی عدل وان آخر سورۃ البراءۃ لم توجد الا مع خزیمۃ بن ثابت فقال اکتبوھا فان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جعل شہادتہ بشہادۃ رجلین فکتب وان عمر اتی بآیۃ الرجم فلم یکتبھا لانہ کان وحدہ۔

ابن اشتہ نے کتاب المصاحف میں لیث بن سعد کی زبانی نقل کیا ہے کہ سب سے پہلے جس شخص نے قرآن کو جمع کیا وہ حضرت ابو بکر ہیں اور زید بن ثابت اسکے لکھنے والے تھے۔ اور لوگ زید بن ثابت کے پاس (قرآن کی آیتوں کو لیکر) آتے تھے مگر وہ کوئی آیت نہ لکھتے تھے جب تک کہ دو عادل شخص اُسکی گواہی نہ دے لیتے تھے اور سورہ براءت کا آخری حصہ صرف خزیمہ بن ثابت کے پاس دستیاب ہوا تو وہ صرف اُنہی کی گواہی پر لکھوا لیا گیا اِس لئے کہ اُنکی گواہی کو جناب رسالتمآب نے دو گواہیوں کے برابر قرار دیا تھا اور حضرت عمر آیہ رجم کو لیکر آئے تو اُسکو درج نہیں کیا گیا اس لئے کہ وہ تنہا تھے اُنکے موافق کوئی دوسرا گواہ نہ تھا۔ (اتقان ج ۱ صفحہ)

اس روایت سے بے شک زید بن ثابت کی کدو کاوش کا اندازہ ہوتا ہے۔

لیکن کیا اس صورت حال نے قرآن مجید کی عظمت مین کوئی اضافہ کیا یا اُس کو تفوق ظاہر کیا؟ کیا اُس کے آیات مین شاہدین عدلین کے گواہی کی ضرورت اُسکے مسلّم شان تواتر کو صدمہ نہین پہونچاتی؟ کیا وہ صحابہ جنکے اقوال کو کسی دوسرے کی گواہی نہ ہونے کے سبب سے رد کر دیا گیا یقیناً دروغ گو اور افترا پرداز تھے؟ تو پھر عدالت صحابہ کے عقیدہ کا کیا حشر ہوگا؟ اور جب وہ یقینی طور پر کاذب نہین ہین تو کیا اس امر کا یقین اور کم از کم شبہہ نہین پیدا ہوتا کہ اُن صحابہ کی تبلائی آیتون مین معتد بہ تعداد حقیقی آیات قرآن کی تھی جو اِس قرآن مین درج ہونے سے رہ گیئن۔

بعض روایتون مین زید بن ثابت کا قدم درمیان سے نکالدیا گیا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر فاروق خود بنفس نفیس جمع قرآن کے انتظام مین مصروف تھے چنانچہ علامہ سیوطی لکھتے ہین اخرج ابن ابی داؤد من طریق یحییٰ بن عبدالرحمن بن حاطب قال قدم عمر فقال من کان تلقی من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم شیئاً من القرآن فلیات بہ وکانوا یکتبون ذلک فی الصحف والالواح والعسب وکان لا یقبل من احد شیئاً حتی یشھد شھیدان۔

ابن ابی داؤد کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے صحابہ کے مجمع مین آکر اعلان کیا کہ جس کسی شخص نے کوئی حصہ بھی قرآن کا حضرت رسول سے حاصل کیا ہو وہ

اُسکو لاکر پیش کرے اور وہ لوگ قرآن کی آیتون کا کاغذون ، تختیون اور درخت کی چھالون پر لکھا کرتے تھے اور حضرت عمر کسی شخص کے دعوے کو قبول نہ کرتے تھے جب تک دو گواہ اُسکی گواہی نہ دیتے تھے (اتقان ج ا صـ۵۹)

لیکن اِس روایت مین یہ شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ پھر حضرت عمر نے آیۂ رجم کو جو اُنکی نظر مین یقیناً جزو قرآن تھی کیون درج نہ کیا اس لیے کہ ذاتی علم کے بعد عادلین کی گواہیون کا انتظار کوئی معنی نہین رکھتا ؟ ہان مگر یہ کہ حضرت عمر پورے طور پر اس معاملہ مین خود مختار نہ رہے ہون بلکہ زید بن ثابت اُنکے شریک کار قرار دیے گئے ہون جیساکہ تیسری روایت سے ثابت ہوتا ہے جس کو علامہ سیوطی نے حسب ذیل الفاظ مین نقل کیا ہے ۔ واخرج ابن ابی داؤد ایضا من طریق ھشام بن عروۃ عن ابیہ ان ابابکر قال لعمر و لزید اقعدا علیٰ باب المسجد فمن جاء کما بشاھدین علےٰ شئی من کتاب اللّٰہ فاکتباہ

عروہ بن زبیر کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر نے عمر اور زید سے کہا کہ تم دونو آدمی مسجد کے دروازہ پر بیٹھو اور قرآن مجید کی جس آیت پر دو گواہیان حاصل ہوجائین اُسکو درج کرلو (اتقان ج ا صـ۶)

بہر حال خواہ پہلی صورت ہو یا دوسری یا تیسری یہ امر پایۂ ثبوت تک پہونچ گیا کہ آیات قرآن کے تسلیم کرنے مین شہادت عدلین کی شرط لگائی گئی تھی اور یہی امر قرآن کی جامعیت مین شبہہ پیدا کرنے کا باعث ہے ۔

طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس امر میں پورا اہتمام تھا کہ قرآن میں کوئی ایسی چیز درج نہونے پائے جو حقیقۃً قرآن کا جزو نہین ہے۔ لیکن یہ امر اسقدر مورد اہتمام نہ تھا کہ قرآن کی کوئی آیت رہ جائے بھی نہ پائے ورنہ کسی صحابی کے قول کو صرف اس بنا پر رد نہ کردیا جاتا کہ اُس کے ساتھ کوئی دوسرا گواہی دینے والا نہین۔

اب بتاؤ کہ وہ تمام صحابہ جنکے قول کو انفراد کی بنا پر رد کردیا گیا تھا اس قرآن کو ناقص سمجھتے تھے یا نہین جبکہ وہ صداقت کے ساتھ ایک ایسی آیت کو جزو قرآن سمجھتے ہین جو اِس قرآن مین درج نہین۔

پھر کیا ایک ایسا مسلمان جو قرآن موجود مین زیادتی کا انکار اور اسکے ہر ہر جزو کے کلام خدا ہونے کا اقرار رکھتے ہوئے کہین کہین سے اسکی بعض آیتون کے متعلق یہ رائے رکھتا ہو کہ وہ درج ہونے سے رہگئین کافر اور غیر مومن بالقرآن سمجھا سکتا ہے؟ اور کیا اس فتوائے کفر کی زد مین بہت سی صحابۂ کرام نہ آجائینگے؟

جمع قرآنکے بعد

حضرت ابوبکر نے زید بن ثابت کے ہاتھون اُس صورت سے جسکا تذکرہ ہوچکا قرآن مجید کتابی صورت مین جمع تو کرادیا لیکن نشر و اشاعت کی ضرورت نہ سمجھی بلکہ جیسا کہ بخاری کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے وہ کتاب اُنکے پاس محفوظ رہی اور پھر حضرت عمر نے اُس کو اپنے پاس بالامانت رکھا اور اُنکے انتقال پر اُنکی صاحبزادی حفصہ کے قبضہ مین آیا۔ عام مسلمانون کے لئے

وہی صورت حال جو اسکے قبل تھی باقی رکھی گئی یعنے مختلف صحابہ قرآن مجید کے متفرق حصوں کو اپنے سینوں مین اور مکتوبی صورت مین منتشر اجزا اپنے پاس محفوظ رکھے ہوئے تھے اور وہی قرآن مجید کی تعلیم کے ذمہ دار اور اُسکی نگہداری وحفاظت کے ضامن و متکفل تھے اور انھین سے بھی مخصوص صحابہ جو قرآن مجید کو غیر مرتب حیثیت مین مکمل طور پر حفظ کیے ہوئے تھے اُنھون نے اپنے اپنے مذاق پر ترتیب دیکر قرآن مجید کو مرتب و مدون بھی کیا۔

امیرالمومنین علی ابن ابی طالب علیہ السّلام کے علاوہ جنکے جمع قرآن پر مبسوط بحث مستقل طور پر کیجائیگی دیگر مستند و مسلم صحابہ جنھون نے قرآن مجید کو اپنی اپنی ترتیب کے مطابق جمع کیا تھا عبداللہ بن مسعود۔ ابی بن کعب۔ معاذ بن جبل تھے اور ابو موسیٰ اشعری نے بھی اپنے محفوظات کی بنا پر ایک قرآن جمع کیا تھا جسے اہل بصرہ مین مقبولیت حاصل تھی اور وہ اُنکے اندر لُباب القلوب کے نام سے مشہور تھا (اعجاز القرآن مصنفہ شیخ مصطفےٰ صادق رفاعی مطبوعہ مصر صفحہ ۳۱ و ۳۸)

اختلاف مصاحف مذکورہ بالا مصاحف جنھیں مختلف اشخاص نے اپنے اپنے محفوظات پر جمع کیا تھا ان مین ترتیب کی حیثیت سے اختلاف تھا جسکی تفصیلی کیفیت ابن اشتہ نے کتاب المصاحف مین اور انھی سے حافظ سیوطی نے اتقان مین نقل کی ہے۔

	ترتیب مصحف موجود	ترتیب مصحف ابی	ترتیب مصحف ابن مسعود
۱	حمد	حمد	
۲	بقرہ	بقرہ	بقرہ
۳	آل عمران	نساء	نساء
۴	نساء	آل عمران	آل عمران
۵	مائدہ	انعام	اعراف
۶	انعام	اعراف	انعام
۷	اعراف	مائدہ	مائدہ
۸	انفال	یونس	یونس
۹	برائت	انفال	براءت
۱۰	یونس	براءت	نحل
۱۱	ہود	ہود	ہود
۱۲	یوسف	مریم	یوسف
۱۳	رعد	شعراء	کہف
۱۴	ابراہیم	حج	بنی اسرائیل
۱۵	حجر	یوسف	انبیاء
۱۶	نحل	کہف	طٰہٰ

۱۷	بنی اسرائیل	نحل	مومنون
۱۸	کہف	احزاب	شعراء
۱۹	مریم	بنی اسرائیل	صافات
۲۰	طٰہٰ	زمر	احزاب
۲۱	انبیاء	طٰہٰ	حج
۲۲	حج	انبیاء	قصص
۲۳	مومنون	نور	نمل
۲۴	نور	مومنون	نور
۲۵	فرقان	سبا	انفال
۲۶	شعراء	عنکبوت	مریم
۲۷	نمل	مومن	عنکبوت
۲۸	قصص	رعد	روم
۲۹	عنکبوت	قصص	یٰس
۳۰	روم	نمل	فرقان
۳۱	لقمٰن	صافات	حجر
۳۲	سجدہ	ص	رعد
۳۳	احزاب	یٰس	سباء

۳۴	سبا	حجر	فاطر
۳۵	فاطر	شوریٰ	ابراہیم
۳۶	یٰس	روم	ص
۳۷	صافات	حدید	محمد
۳۸	ص	فتح	لقمان
۳۹	زمر	محمد	زمر
۴۰	مومن	تحریم	مومن
۴۱	حم سجدہ	ملک	زخرف
۴۲	شوریٰ	سجدہ	سجدہ
۴۳	زخرف	نوح	شوری
۴۴	دخان	احقاف	احقاف
۴۵	جاثیہ	ق	جاثیہ
۴۶	احقاف	رحمٰن	دخان
۴۷	محمد	واقعہ	فتح
۴۸	فتح	جن	حشر
۴۹	حجرات	نجم	حم سجدہ
۵۰	ق	معارج	طلاق

٥١	ذاریات	مزمل	قلم
٥٢	طور	مدثر	حجرات
٥٣	نجم	قمر	ملک
٥٤	قمر	حم سجدہ	تغابن
٥٥	رحمن	دخان	منافقون
٥٦	واقعہ	لقمان	جمعہ
٥٧	حدید	جاثیہ	صف
٥٨	مجادلہ	طور	جن
٥٩	حشر	ذاریات	نوح
٦٠	ممتحنہ	قلم	مجادلہ
٦١	صف	حاقہ	ممتحنہ
٦٢	جمعہ	حشر	تحریم
٦٣	منافقون	ممتحنہ	رحمن
٦٤	تغابن	مرسلات	نجم
٦٥	طلاق	نباء	طور
٦٦	تحریم	قیامہ	ذاریات
٦٧	ملک	تکویر	قمر

۶۸	قلم	طلاق	واقعہ
۶۹	حاقہ	نازعات	نازعات
۷۰	معارج	تغابن عہ	معارج
۷۱	نوح	عبس	مدثر
۷۲	جن	تطفیف	مزمل
۷۳	مزمل	انشقاق	تطفیف
۷۴	مدثر	تین	عبس
۷۵	قیامہ	علق	دہر
۷۶	دہر	حجرات	مرسلات
۷۷	مرسلات	منافقون	قیامہ
۷۸	نبأ	جمعہ	نبأ
۷۹	نازعات	تحریم	تکویر
۸۰	عبس	فجر	انفطار
۸۱	تکویر	بلد	غاشیہ
۸۲	انفطار	لیل	اعلیٰ
۸۳	تطفیف	انفطار	لیل
۸۴	انشقاق	شمس	فجر

عہ اتقان کے مطبوعہ نسخہ مین یونہی ہے لیکن اس کے محتاج تصحیح ہونے مین شبہہ نہین ۱۲

۸۵	بروج	طارق	بروج
۸۶	طارق	اعلیٰ	انشقاق
۸۷	اعلیٰ	غاشیہ	علق
۸۸	غاشیہ	صف	بلد
۸۹	فجر	تغابن	ضحیٰ
۹۰	بلد	بیّنہ	طارق
۹۱	شمس	ضحے	عادیات
۹۲	لیل	انشراح	ماعون
۹۳	ضحیٰ	قارعہ	قارعہ
۹۴	انشراح	تکاثر	بیّنہ
۹۵	تین	عصر	شمس
۹۶	علق	خلع	تین
۹۷	قدر	حفد	ہمزہ
۹۸	بیّنہ	ہمزہ	فیل
۹۹	زلزال	زلزال	قریش
۱۰۰	عادیات	عادیات	تکاثر
۱۰۱	قارعہ	فیل	قدر

۱۰۲	تکاثر	قریش	زلزال
۱۰۳	عصر	ماعون	عصر
۱۰۴	ہمزہ	کوثر	نصر
۱۰۵	فیل	قدر	کوثر
۱۰۶	قریش	کافرون	کافرون
۱۰۷	ماعون	نصر	تبت
۱۰۸	کوثر	تبت	اخلاص
۱۰۹	کافرون	اخلاص	انشراح
۱۱۰	نصر	فلق	.
۱۱۱	تبت	ناس	.
۱۱۲	اخلاص	.	.
۱۱۳	فلق	.	.
۱۱۴	ناس	.	.

(اتقان ج ۱ ص ۶۹)

مصحف حضرت علیؑ اور ترتیب نزول

مذکورۂ بالا اسلوب کہ جو مختلف صحابہ کی طرف سے جمع قرآن میں اختیار کیے گئے تھے اُس صورت کے یقیناً خلاف ہیں جس پر قرآن مجید نازل

کیا گیا تھا۔

اس لئے کہ بتصریح محققین سب سے پہلا سورہ جو جناب رسالتمآب پر نازل ہوا ہے وہ سورہ اقرأ تھا اور اُسکے بعد مدثر۔ چنانچہ علامہ سیوطی اتقان مین تحریر کرتے ہین۔

اختلف فی اول ما نزل من القرآن علی اقوال احدہا وہو الصحیح اقرأ باسم ربك "اختلاف ہوا ہے کہ سب سے پہلے قرآن کا کون جزو نازل ہوا پہلا قول جو حقیقۃً صحیح ہے وہ یہی ہے کہ سب سے پہلا نازل ہونیوالا ٹکڑا "اقرأ باسم ربك" ہے۔ اور اسکی تصدیق مین پھر انھون نے صحیحین کی حدیث کو نقل کیا ہے۔ (دیکھو اتقان ج ا صہ ۲۴)

اور واحدی نے اپنی کتاب اسباب النزول (طبع مصر صہ ۵) مین اول ما نزل من القرآن کے تحت مین لکھا ہے اقرأ باسم ربك الذی خلق عن عکرمۃ والحسن قالا اول ما نزل من القرآن بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وہو اول ما نزل من القرآن بمکۃ واول سورۃ اقرأ باسم ربك سورۃ المدثر اول ما نزل بعد سورۃ اقرأ۔

"عکرمہ اور حسن کا بیان ہے کہ سب سے پہلے جو آیت قرآن کی مکہ مین نازل ہوئی وہ بسم اللہ ہے اور سب سے پہلا سورہ اقرأ ہے اور اس کے بعد دوسرا سب سے پہلا سورہ مدثر ہے"

حدیث اول سورۃ نزلت علی رسول اللہ صلعم بمکۃ اقرأ باسم ربک و آخر سورۃ نزلت علی رسول اللہ صلعم بمکۃ المومنون و یقال العنکبوت و اول سورۃ نزلت بالمدینۃ ویل للمطففین و آخر سورۃ نزلت فی المدینۃ براءۃ۔

سب سے پہلا سورہ جو رسالتمآب پر مکہ میں نازل ہوا "اقرأ" ہے اور آخری سورہ جو مکہ میں اترا مومنون اور بقول بعض عنکبوت ہے اور مدینہ میں سب سے پہلا سورہ ویل للمطففین اور آخری سورہ برات ہے۔

اب ان روایات کی مطابقت سے جب موجودہ ترتیب قرآن پر نظر کرو تو تمہیں بالکل عکس نظر آئیگا۔

سب سے آخری سورہ جو مذکورہ بالا عبارت کے مطابق سورہ برات اور اکثر محققین کی تحقیق کے روسے سورہ مائدہ ہے وہ قرآن کی پہلی تہائی میں درج ہے اور اقرا جو سب سے پہلا سورہ تھا وہ آخری پارہ میں اور مدنی سوروں میں کا پہلا سورہ مطففین بھی اسی صورت سے آخر میں ڈالدیا گیا ہے اور اسطرح موجودہ ترتیب کو کوئی مناسبت ترتیب نزول کیسا تھ باقی نہیں رہتی اور معلوم ہوتا ہے کہ ان صحابۂ کرام کی نظر میں ترتیب نزول کی مراعات کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔

خود حضرت عائشہ ام المومنین نے بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے اُسوقت جب ایک عراقی شخص نے آکر عرض کیا۔ "اے ام المومنین مجھکو اپنا مصحف دکھلائیے" فرمایا "کیوں" کہا۔

لعلی الف القرآن علیہ فانہ یقرأ غیر مؤلف شاید میں اپنے قرآن کو اُسی کے موافق
ترتیب دے لوں اسلئے کہ بحالت موجودہ بلا ترتیب پڑھا جاتا ہے۔

حضرت عائشہ نے کہا وما یضرک ایۃ قرأت قبل انما نزل اول ما
نزل منہ سورۃ من المفصل فیہا ذکر الجنۃ والنار حتی اذا ثاب الناس الی الاسلام
نزل الحلال والحرام ولو نزل اول شیء لا تشربوا الخمر لقالوا لا ندع الخمر
ابدا ولو نزل لا تزنوا لقالوا لا ندع الزنا ابدا لقد نزل بمکۃ علی محمد صلے
اللہ علیہ وسلم وانی لجاریۃ العب بل الساعۃ موعدهم والساعۃ
ادہی وامر وما نزلت سورۃ البقرۃ والنساء الا وانا عندہ قال
فاخرجت لہ المصحف فاملت علیہ السور۔

"تو اسمیں حرج ہی کیا ہے جو سورہ بھی پہلے پڑھ لیا جائے۔ سب سے پہلے
مفصل سورتوں میں سے ایک سورہ اترا تھا جس میں بہشت و دوزخ کا تذکرہ
تھا یہاں تک کہ جب لوگ کثرت سے اسلام کی طرف آگئے تو حلال و حرام کے
احکام نازل ہوے اور اگر پہلی ہی مرتبہ لا تشربوا الخمر نازل ہو جاتا تو لوگ کہہ دیتے
کہ ہم ہرگز شراب ترک نہ کرینگے اور اگر پہلے ہی یہ حکم آتا کہ زنا نہ کرو تو لوگ کہتے کہ
ہم کبھی زنا نہ چھوڑیں گے۔ مکہ میں رسالت مآب پر یہ آیت نازل ہوئی کہ
بل الساعۃ موعدهم والساعۃ ادہی وامر اسوقت میں بچہ تھی اور کھیلتی کودتی
تھی اور سورہ بقرہ و نساء اسوقت نازل ہوے کہ جب میں حضرت کے ساتھ عقد ہو چکا

تھا"۔ اسکے بعد ام المومنین نے اپنا مصحف نکالا اور اُسکے مطابق سورون کی فہرست لکھوادی (صحیح بخاری مطبوعہ کرزن پریس دہلی ص۷۴۶)

اس حدیث سے جس طرح قرآن موجود کا ترتیب نزول کے خلاف ہونا ظاہر ہے اسلئے کہ بل الساعۃ موعدھم الخ سورۂ قمر کی آیت ہی جو بحالت موجودہ ستائیسوین پارہ مین ہے اور وہ حضرت ام المومنین کے قول کے مطابق سورۂ بقرہ و نسا سے بہت پہلے نازل ہوئی تھی۔

اسی کے ساتھ یہ امر بھی نمایان ہے کہ موصوفہ کی نظر مین قرآن کی ترتیب کسی خاص تعبد و توقیف پر مبنی نہ تھی اور نہ وہ کسی خاص ترتیب کا پابند ہے اسی لئے وہ عراقی کی کاوش کو بلا ضرورت قرار دیتے ہوئے ما یضرك ایہ قرأت کہکر سورہ قرآن مین ترتیب کی مراعات کو ساقط کئے دے رہی ہین۔

براء ابن عازب کی روایت بھی بخاری مین موجود ہے کہ تعلمت سبح اسم ربك قبل ان یقدم النبی صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ "مین نے سبح اسم ربك کو اُسوقت یاد کیا ہے کہ جب رسالت مآبؐ مدینہ مین ہجرت کرکے تشریف بھی لائے تھے" اس سے ظاہر ہے کہ سورۂ اعلیٰ ہجرت کے قبل نازل ہوچکا تھا حالانکہ وہ بحالت موجودہ قرآن کے آخری پارہ مین نظر آرہا ہے۔

ترتیب آیات جس طرح سورون کی ترتیب اُس ترتیب سے مختلف ہے جس قرآن نازل ہوا تھا اُسی طرح آیات کا اگر لحاظ کیا جائے تو اُن مین بھی

ترتیب نزولی کا پتہ نہین ہی جسکے کئی ثبوت ہین۔

(پہلا ثبوت) مکی سورون کے بیچ مین مدنی آیتین اور مدنی سورہ مین مکی آیتین حالانکہ مکی و مدنی کی اصطلاح جس اصول پر قائم ہوئی ہی اسکے مطابق ترتیب نزولی کی مراعات کے ساتھ مکی و مدنی آیتون مین خلط و آمیزش ناممکن ہو جاتی ہے

علامہ سیوطی تحریر فرماتے ہین اعلم ان للناس فی المکی والمدنی اصطلاحات ثلثة اشہرھا ان المکی ما نزل قبل الہجرة والمدنی ما نزل بعدھا سواء نزل بمکة او بالمدینة عام الفتح او عام حجة الوداع ام لسفر من الاسفار مکی و مدنی کے متعلق مختلف اصطلاحین ہین جنمین سب سے زیادہ مشہور یہ ہی کہ مکی وہ ہے جو قبل ہجرت نازل ہوا ہو اور مدنی وہ کہ جو بعد ہجرت خواہ مکہ مین نازل ہوا ہو یا مدینہ مین سال فتح مکہ یا حجة الوداع یا کسی دوسرے سفر مین (اتقان ج ا ص ۶)

اب عقلی حیثیت سے یہ امر تو ممکن ہی کہ کسی سورہ کی ابتدائی آیتین مکی اور آخری آیتین مدنی ہون لیکن اول کے مدنی ہونے کے ساتھ آخر کا مکی ہونا یا اول و آخر مدنی کے ساتھ وسط مکی یا اول و آخر مکی ہونے کے ساتھ وسط کا مدنی ہونا ترتیب نزول کے لحاظ سے ممکن نہین ہے لیکن اس کے ساتھ جب ہم سور قرآن اور انکے آیات پر ائمہ تفسیر و علمائے سیر و تواریخ کے بیانات کی روشنی مین نظر ڈالتے ہین تو ہمکو ان تینون طرح کے نمونون کا ایک عالم نظر آتا ہی جس کا

اندازہ مندرجۂ ذیل فہرست سے ہوسکیگا۔

(۱) **انعام** یہ سورہ مکی ہے لیکن سات آیتین مدینہ مین نازل ہوئی ہین جو ایک ساتھ مذکور بھی نہین بلکہ اُنکے درمیان آیات مکیہ مخلوط ہین۔ "الذین آتیناھم الکتاب یعرفونہ کما یعرفون ابناءھم الذین خسروا انفسھم فھم لا یومنون اسکے قبل اور بعد آیتین مکی ہین اور یہ خود مدنی ہے پھر وما قدروا اللہ حق قدرہ اذ قالوا ما انزل اللہ علی بشر من شیٔ الخ ابن ابی حاتم کی تصریح کے مطابق یہ آیت مالک بن صیف کے بارےمین نازل ہوئی ہے اور وہ مدینہ کا واقعہ ہے۔ اسکے بعد ایک آیت مکی ہے اور پھر ومن اظلم ممن افتری علی اللہ کذبا او قال اوحی الی ولم یوح الیہ شیٔ الآیۃ اور اسکے بعد والی آیت یہ دونون مسیلمہ کذاب کے بارےمین نازل ہوئی ہین جسکے ادعائے نبوت کا زمانہ رسالتمآب کی زندگی کے آخری دور مین تھا اور یہ بحالت موجودہ مکہ مین نازل ہونے والے سورۃ انعام کے وسطی حصہ مین مندرج ہین۔ پھر اسکے آخر مین قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم سے تین آیتون تک یہ بھی مدینہ مین نازل ہوئی تھین جسکے متعلق حافظ سیوطی کا قول ہے قد صح النقل عن ابن عباس باستثناء قل تعالوا الآیات الثلث۔ لیکن اسکے بعد بارہ آیتین پھر مکہ کی نازل شدہ ہین۔

(۲) اعراف مکی سورہ ہے مگر واسئلھم عن القریۃ التی کانت حاضرۃ البحر

دس آیتون تک مدینہ کی نازل شدہ ہین -

(۳) انفال مدنی سورہ ہے مگر یاایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المومنین مکہ مین نازل ہوا ہے -

(۴) ھود مکی ہے لیکن تین آیتین مدنی ہین فلعلک تارک افمن کان علی بینۃ من ربہ - اقم الصلوٰۃ طرفی النھار -

(۵) رعد - اس مین یہ آیت ولایزال الذین کفروا تصیبھم بما صنعوا قارعۃ مکی ہے اور اللہ یعلم کی آیت شدید المحال تک مدنی ہے اور باقی مین اختلاف ہے کہ وہ مکہ مین نازل ہوا ہے یا مدینہ مین -

(۶) ابراہیم پورا سورہ مکی ہے لیکن الم تر الی الذین بدلوا نعمۃ اللہ کفرا سے لیکر فبئس القرار تک دو آیتین مدینہ کی نازل شدہ ہین -

(۷) حجر مکی سورہ ہے لیکن آیہ ولقد علمنا المستقدمین منکم و لقد علمنا المستاخرین کا بلحاظ اسکے شان نزول کے مدینہ مین نازل ہونا یقینی ہے

(۸) اسراء مکی ہے لیکن حسب ذیل آیات مدینہ کے نازل شدہ ہین یسألونک عن الروح وان کادوا لیفتنونک - قل لئن اجتمعت الانس والجن وما جعلنا الرویا - ان الذین اوتوا العلم من قبلہ

(۹) کہف - ابتدا کی آٹھ آیتین اور آخر کی چار مدنی ہین اور درمیان مین مکی لیکن اسمین بھی واصبر نفسک الخ مدینہ کی نازل شدہ ہے -

(۱۰) **مریم** مکی ہے لیکن آیۂ سجدہ اور ان منکم الا واردھا والی
آیت اِسکے خلاف ہے۔

(۱۱) **طٰہٰ** مکی سورہ ہے لیکن آیۂ فاصبر علی ما یقولون الخ متفقہ
طور پر اس سے خارج سمجھی گئی ہے۔ اور علامۂ سیوطی کے خیال مین ایک آیت کو اور
مستثنیٰ ہونا چاہئے اور وہ یہ ہے لا تمدن عینیك الیٰ ما متعنا به ازواجا
منهم الخ اس لئے کہ یہ اپنے شان نزول کی بناء پر مدینہ کی نازل شدہ ہے
(۱۲) **انبیاء** مکی ہے مگر صرف یہ آیت افلا یرون انا ناتی الارض
الخ مدینہ مین نازل ہوئی ہے۔

(۱۳) **حج** مکی سورہ ہے جس مین ھذان خصمان سے لیکر تین آیتون
تک مدینہ کی نازل شدہ ہین۔

(۱۴) **مومنون** حتیٰ اذا اخذنا مترفیهم سے لیکر مبلسون تک
جو چودہ آیتین ہین وہ تو مدینہ کی نازل شدہ ہین باقی سورہ مکی ہے۔

(۱۵) **فرقان** والذین لا یدعون سے رحیما تک جو تین آیتین
ہین مدنی اور باقی سورہ مکی ہے۔

(۱۶) **قصص** مکی سورہ ہے جسمین الذین اتینٰھم الکتاب سے
لا نبتغی الجاهلین تک جو چار آیتین ہین وہ مدینہ کی نازل شدہ ہین۔
اخرج الطبرانی عن ابن عباس انها نزلت هی اخر الحدید فی

اصحاب النجاشی الذین قدموا وشهدوا وقعۃ الاحد

"طبرانی نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ یہ اور سورۂ حدید کا آخریہ یکون آیتین نجاشی کے ساتھ والون کے بارے مین نازل ہوئی تھین جو آکر جنگ احد مین شریک ہوئے تھے (اتقان صـ١٦)

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سورۂ حدید کا آخری حصہ ان چار آیتون کے ساتھ ساتھ اترا تھا حالانکہ اب انکے درمیان ربع قرآن سے زیادہ کا فاصلہ ہے۔

(١٧) **عنکبوت** شروع کی دس آیتین مدینہ کی نازل شدہ اور اُس کے بعد سے بقیہ حصہ مکی ہے

(١٨) **لقمان** مکی سورہ ہے جس مین لو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام سے لیکر تین آیتون تک مدنی ہین۔

(١٩) سجدہ اس مین افمن کان مومنا سے تین آیتون تک مدینہ مین نازل ہوئی ہین اور بقیہ حصہ مکی لیکن اس مین بھی تتجافی جنوبھم والی آیت شان نزول کی بناء پر مدینہ کی نازل شدہ ہے۔

(٢٠) یٰس مکی سورہ ہے اس مین انا نحن نحی الموتی ونکتب ما قدموا واثارھم الخ مدینہ کا نازل شدہ ہے

(٢١) زمر قل یا عبادی سے لیکر تین آیتون تک مدینہ کا نازل شدہ اور بقیہ حصہ مکی ہے۔

(۲۲) مومن مکی سورہ ہے جسمین انّ الذین یجادلون سے دو آیتین مدینہ مین نازل ہوئی ہین -

(۲۳) شوریٰ ام یقولون افتریٰ علی اللہ کذبا سے چار آیتون تک مدینہ کی نازل شدہ اور اسکے قبل و بعد کی آیتین مکی ہین -

(۲۴) زخرف مکی سورہ ہے لیکن واسال من ارسلنا الخ اس سے خارج ہے -

(۲۵) جاثیہ - مکی ہے اور اُس مین قل للذین امنوا والی آیت مدنی ہے

(۲۶) احقاف مکی ہے لیکن اُس مین قل ارأیتم ان کان من عند اللہ الخ خبر صحیح کی بناء پر مدینہ کی نازل شدہ ہے -

(۲۷) قٓ مکی سورہ ہے لیکن ولقد خلقنا السموات والارض والی آیت مدینہ مین نازل ہوئی ہے -

(۲۸) نجم مکی ہے جس مین الذین یجتنبون کبائر الاثم والفواحش والی آیت مدینہ کی ہے -

(۲۹) سورہ رحمٰن مکیہ ہے مگر یسأله من السموات والارض الخ کی آیت مدینہ مین نازل شدہ ہے -

(۳۰) واقعہ مکی ہے لیکن دو مقام اسکے مدنی ہین - ۱ ثلة من الاولین وثلة من الاخرین ۲ فلا اقسم بمواقع النجوم سے لیکر آٹھ آیتون تک

(۳۱) مجادلہ مکی سورہ ہے لیکن مایکون من نجوی ثلثۃ الخ مدنی ہے
(۳۲) تحریم شروع سے دس آیتین مدنی اور باقی مکی ہین -
(۳۳) ن والقلم اس مین انا بلونا ھم سے سترہ آیتون تک اور پھر فاصبر لحکم ربک سے تین آیتون تک مدنی ہین اور باقی ۳۲ آیتین مکی -
(۳۴) دہر مکی سورہ ہے مگر فاصبر لحکم ربک والی آیت مدینہ کی نازل شدہ ہے -
(۳۵) مرسلات مکی ہے لیکن اذا قیل لھم ارکعوا لا یرکعون اس سے خارج ہے -

اسکے علاوہ بھی مختلف سورون مین اختلاف اقوال کی بناء پر خلط و آمیزش موجود ہے جنکو متفقہ حیثیت سے ثبوت بہم نہ پہونچنے کی وجہ سے ہم نے ترک کردیا (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو (اتقان سیوطی ج ا صت ۱۵-۱۷

کیا اس کے بعد یہ امر قابل شک شبہ ہے کہ ترتیب آیات مین سلسلۂ تنزیل کا کوئی لحاظ نہین کیا گیا تھا اور آیات کو بغیر لحاظ تقدیم و تاخیر کے درج کردیا گیا ہے -

(دوسرا ثبوت) قرآن مجید مین عدۂ وفات کے متعلق ارشاد ہوا ہے

والذین یتوفون منکم ویذرون	تم (مسلمانون مین) سے جن لوگون کا انتقال ہوجائے
ازواجا وصیۃ لازواجھم متاعا	اور انکی بیویان موجود ہون تو انکی بیویون کے لئے

الی الحول غیر اخراج فان خرجن	حکم ہے سال بھر تک ان نفقہ ملے اور وہ
فلا جناح علیکم فیما فعلن فی	گھروں سے نہ نکلیں پھر جب (سال گذرنے پر)
انفسھن من معروف واللّٰہ	وہ نکلیں تو جو کچھ وہ اپنے بارے میں طرز عمل اختیار
عزیز حکیم -	کریں تمھیں کوئی کام اس سے نہ ہوگا اور خدا غالب
	وحکیم ہے -

اس آیت میں ازواج کے لئے ایک سال تک عدہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن باجماع امت یہ حکم اس آیت سے منسوخ ہے کہ

والذین یتوفون منکم ویذرون	تم (مسلمانوں) میں سے جن لوگوں کا انتقال ہو
ازواجا یتربصن بانفسھن اربعۃ	اور انکے بیویاں موجود ہوں تو وہ چار مہینہ دس
اشھر وعشرا فاذا بلغن اجلھن	دن تک اپنے تئیں روکے رکھیں جب وہ
فلا جناح علیکم فیما فعلن فی انفسھن	اس مدت کو پورا کرلیں تو پھر جو کچھ وہ اپنے
بالمعروف واللّٰہ بما تعملون خبیر	بارے میں طرز عمل اختیار کریں تمھیں تعرض کا
	حق نہ ہوگا اور خدا تمھارے اعمال پر مطلع ہے

اس آیت میں پہلے حکم کو منسوخ کرتے ہوئے عدہ کی میعاد چار مہینہ دس دن قرار دی گئی ہے اور یہی حکم وہ ہے کہ جو مسلمانوں میں معمول بہ ہے نسخ کے لغوی و اصطلاحی دونوں معنی کی بناء پر ناسخ و منسوخ میں ترتیب فطری ہے یعنی یہ کہ منسوخ پہلے اور ناسخ بعد ہو لیکن مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں صورت

حال اسکے بالکل برعکس نظر آتی ہی یعنی قرآن مجید مین دوسری آیت پہلے اور پہلی آیت بعد ہے۔ دوسری دوسرے پارہ کے چودھوین رکوع مین اور پہلی اُس کے بعد پندرھوین رکوع مین ہے،

کیا نظم قرآن کے بترتیب نزول ہونے مین یہ صورت ہو سکتی تھی! ہرگز نہین بلکہ یہ یقینی طور پر اس امر کی دلیل ہے کہ جمع قرآن کو ترتیب نزول سے کوئی تعلق نہین ہے۔

(تیسرا ثبوت) خود قرآن مجید کے آیات مین عمیق نظر ڈالنے سے یہ بے ترتیبی نمایان صورت سے ظاہر ہو جاتی ہے جسکی چند مثالین ذیل مین درج کیجاتی ہین

پہلی مثال سورۂ انفال کے ابتدا مین جنگ بدر کا قصہ حسب ذیل الفاظ مین شروع کیا گیا ہے۔

كما اخرجك ربك من بيتك بالحق	اُسی صورت پر جس طرح پروردگار نے تمھین بالکل ٹھیک
وان فريقا من المومنين لكارهون	(مصلحت سے) تمھارے گھر سے (جنگ بدر مین) نکالا تھا
يجادلونك فى الحق بعد ما تبين كانما	اور مومنین کا ایک گروہ اس سے ناخوش تھا، وہ لوگ حق
يساقون الى الموت وهم ينظرون و	ظاہر ہونیکے بعد بھی تمسے (اس) مین جھگڑتے تھے گویا
اذ يعدكم الله احدى الطائفتين	وہ زبردستی موت کے منہ مین دھکیلے جا رہے ہین اور
انها لكم وتودون ان غير ذات	اُسے اپنی آنکھون سے دیکھ رہے ہین (وہ وقت تھا)
الشوكة تكون لكم و يريد الله ان	جب خدا تم سے وعدہ کر رہا تھا کہ (کفار مکہ کی) دو

یحق الحق بکلماتہ و یقطع دابر الکافرین۔	جماعتون مین سے ایک تمہارے لئے ضرور ہوگی اور تم یہ چاہتے تھے کہ کمزور جماعت تمہارے ہاتھ لگے اور خدا یہ چاہتا تھا کہ اپنی باتون سے حق کو قائم کرے اور کافرون کی جڑ کاٹ دے۔

اور بالکل اسی سیاق مین مسلمانون کی پریشانی اور خدا سے فریاد اور ملائکہ کا نصرت پر مامور ہوکے اترنا ان تمام واقعات کو بیان کیا گیا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ آیات جنگ بدر کے بعد نازل ہوئے ہین لیکن اسی کے بعد یہ آیت ہے۔

یا ایھا الذین امنوا اذا لقیتم الذین کفروا زحفا فلا تولوھم الادبار ومن یولھم یومئذ دبرہ الا متحرفا لقتال او متحیزا الی فئۃ فقد باء بغضب من اللہ و ماوٰہ جھنم وبئس المصیر	اے ایمان والو جب کفار سے جنگ مین مقابلہ ہو تو پشت نہ پھرانا اور جو اس دن اپنی پشت پھیریگا سوا اسکے کہ جنگ کیواسطے کترائے یا کسی جماعت کے پاس جانے کیلئے ہٹے تو وہ خدا کے غضب مین گرفتار ہوگا اور اسکا ٹھکانا جہنم مین ہے اور وہ کیا برا ٹھکانا ہے۔

یہ تہدیدی آیت یقیناً جنگ کے قبل کی ہے اور اسکو جنگ ختم ہونے کے بعد والے آیات سے کوئی تعلق نہین ہے۔

اس کے بعد پھر ایک مرتبہ سلسلہ قبل والے سیاق سے ملجاتا ہے کہ

فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم وما رمیت اذ رمیت ولکن اللہ رمی	تمنے (اے مسلمانو) انھین قتل نہین کیا بلکہ خدا نے قتل کیا اور تمنے (اے رسول) انکی طرف سنگریزے نہین پھینکے بلکہ خدا نے پھینکے ہین۔

یہ بھی جنگ کے بعد کی آیت ہے جو جنگ کے انجام کو قصہ ماضی کی صورت

مین بیان کر رہی ہے۔

پھر غیر متعلقہ آیات کے بعد جنھین اس واقعہ سے کوئی تعلق نہین سورہ کے اواخر

مین یہ آیت نظر آتی ہے۔

یا ایہا النبی حرض المومنین علی	ای پیغمبر تم مومنین کو جنگ پر آمادہ کرو (کہو کہ)
القتال ان یکن منکم عشرون	اگر تم مین سے بیس آدمی ثابت قدم ہون تو انھین
صابرون یغلبوا مائتین ان	دو سو پر غالب آجانا چاہیے اور اگر سو ہون تو
یکن منکم مائۃ یغلبوا الفا من	وہ ایک ہزار کافرون پر غالب آئین اسلیے کہ
الذین کفروا بانھم قوم لا یفقھون	وہ لوگ نا سمجھ ہین۔

قال الحسن ان التغلیظ کان علی اھل بدر ثم جاءت الرخصۃ

حسن نے کہا ہے کہ "یہ سخت حکم اہل بدر کیلئے تھا پھر اس حکم کو آسان کر دیا گیا"

اس بنا پر یہ آیت جنگ بدر کے پہلے اور وہ دوسری آیت جس مین اس حکم کو

منسوخ کیا گیا ہے وہ اس کے بعد نازل ہوئی ہے۔ ناسخ و منسوخ دونون آیتون

کا ایک ساتھ ہونا آئین نسخ کے خلاف ہے لیکن قرآن مجید مین یہ دونون آیتین حالات

جنگ بدر کے بعد پہلو بہ پہلو موجود ہین۔

دوسری مثال سورۂ عنکبوت مین ابراہیم خلیل الرحمن کا تذکرہ

اس طرح شروع ہوا ہے۔

وابراہیم اذ قال لقومہ اعبدوا اللہ واتقوہ بیان سے لیکر دو آیتوں تک قصۂ ابراہیم سے متعلق ہین جنمین ابراہیم کی گفتگو اپنی قوم سے نقل کی گئی ہے کہ ابراہیم نے کہا۔

”خدا کی عبادت کرو اور اُس سے ڈرتے رہو۔ یہی تمھارے لئے بہتر ہے۔ تم خدا کو چھوڑ کر بتوں کی پرستش کرتے ہو اور جھوٹی باتین بناتے ہو یہ کہ جنکی تم عبادت کرتے ہو تمھاری روزی پر اختیار نہین رکھتے تو پھر تم خدا ہی سے روزی مانگو اور اُسی کی عبادت کرو اور اُس کا شکریہ ادا کرو اور اُسی کی طرف تم پلٹ کر جاؤ گے“

اسکے بعد دیکھنے والے کی نظر صبر آزما جستجو رکھتی ہو گی کہ اس کا جواب قوم ابراہیم نے کیا دیا لیکن قرآن مجید مین یہ دیکھکر تعجب ہو گا کہ اسکے بعد چھ آیتین بالکل غیر متعلق ہین جنکو اس قصہ سے کوئی تعلق نہین اور اُسکے بعد یہ آیت ہے کہ فما کان جواب قومہ الا ان قالوا اقتلوہ او حرقوہ۔ الخ۔ جسکو لفظی و معنوی اتصال پہلی دونون آیتون کے ساتھ ہے اور اس مین قوم کا جواب ابراہیم کو فائے تفریع کے ساتھ نقل کیا ہے جو اُسکے ارتباط کا پہلی آیتون سے ضامن ہے لیکن افسوس کہ موجودہ صورت جمع و تدوین نے اس اتصال کو افتراق سے بدلکر قران کی بلاغت کو دھچکا پہونچا دیا۔

تیسری مثال۔ سورہ لقمان مین لقمان کے نصائح ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہوتا ہے۔

واذ قال لقمان لابنہ وھو یعظہ۔ (وہ وقت یاد کرو) جب لقمان نے اپنے بیٹے سے اُسکو نصیحت

یا بنی لا تشرک باللہ ان الشرک
لظلم عظیم ۔
یا بنی انہا ان تک مثقال حبۃ من
خردل فتکن فی صخرۃ او فی السمٰوٰت او فی
الارض یأت بہا اللہ ان اللہ
لطیف خبیر۔

کرتے ہوئے کہا کہ بیٹا خبردار کسی کو خدا کا شریک
بنانا اس لیے کہ شرک یقیناً بڑا سخت گناہ ہے
بیٹا اس میں شک نہیں کہ عمل اگر رائی کے دانہ کے
برابر بھی ہو اور وہ کسی سخت پتھر کے اندر یا آسمانوں
میں یا زمینوں میں ہو تب بھی اسکو حساب کے لیے
خدا سامنے لے آئیگا اور خدا بڑا باریک بین و آگاہ ہے

یہ دونوں آیتیں دست و گریبان ہیں اور جس طرح بعد کی آیتیں وصایائے لقمان میں بالکل سلسلہ وار ہیں اسی طرح معنوی ارتباط کی بنا پر یہ دونوں آیتیں بھی ایک دوسرے سے وابستہ ہیں لیکن صورت یہ ہے کہ ان دونوں کے درمیان میں دو آیتیں بالکل غیر متعلق موجود ہیں ۔

ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وھنا علی وھن الخ جو نہ وصایائے لقمانی میں داخل ہیں اور نہ لقمان کا کلام اور نہ قصہ لقمان سے کوئی ربط رکھتی ہیں پھر جب اس مقام پر یہ نمونہ واضح طور پر موجود ہے کہ ایسی دو آیتوں کے درمیان میں جو ایک کلام کی جزو و ایک سلسلہ کی دو کڑیاں ہیں غیر متعلق آیتوں کا اضافہ کر دیا گیا ہے جس نے واقعہ کی بیساختگی اور کلام کے تسلسل اور بیان کے ارتباط کو غیر معمولی صدمہ پہونچا دیا ہے تو پھر کیوں نہ اسی نوعیت کی ۔

چوتھی مثال اسکو سمجھ لیا جائے کہ سورۂ احزاب میں ازواج نبی کی متعلقہ آیتوں میں

جنین صریحی طور سے یانساء النبی کہکر انکو مخاطب کیا گیا ہی ایک غیر متعلقہ آیت
درج کردی گئی ہے جو لفظ و معنی دونون کے اعتبار سے ازواج والی آیتون سے
مغایرت رکھتی ہے۔ یعنی انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت
ویطھرکم تطھیرا۔ خصوصاً جبکہ مستند آثار و احادیث کے روسے اُسکا خاص وقت
پر مخصوص اشخاص کے متعلق نازل ہونا بھی پایۂ ثبوت کو پہونچ گیا ہی جسمین ازواج کا
اِن تمام امثلہ و نظائر اور انکے قبل مذکور ہوے والے ادلہ و شواہد کی
بنا پر یہ امر یقینی ہو جاتا ہی کہ قرآن مجید کے جمع و تالیف مین باعتبار شان نزول کے
تقدیم و تاخیر اور تفرق و انتشار پایا جاتا ہی اور وہ اصلی صورت تنزیل سے کوسون دور ہے
خوش عقیدہ حضرات اس اندھا دھند کی ذمہ داری خدا و رسول پر
عائد کرتے ہین اونکا خیال ہے کہ قرآن مجید کا نزول غیر مرتب صورت سے تھا اور
اور حسب موقع متفرق طور پر آیات نازل ہوتے تھے۔ بعدہ مین رسالتمآب جبرئیل امین
کی ہدایت سے اُن آیات کو مختلف سورتون پر تقسیم فرما دیتے تھے کہ یہ آیت اس
سورہ کی ہے اور یہ آیت اس دوسرے سورہ کی
اور اس طرح یہ صورت کہ جسپر موجودہ قرآن کی ترتیب ہوئی ہی لوح
محفوظ والے مرتب قرآن سے مطابق ہے
اور اس کے ثبوت مین متعدد روایات کا حوالہ دیا جاتا ہی جنکو علامہ سیوطی
نے اتقان ج ۱ صفحہ ۶۲-۶۳ مین درج کیا ہے

(۱) زید بن ثابت کی روایت کنا عند النبی صلے اللہ علیہ وسلم نؤلف القرآن من الرقاع ہم لوگ جناب رسالتمآبؐ کی خدمت مین قرآن مجید کو مختلف پرزون سے جمع کیا کرتے تھے -

جسکو حاکم نے مستدرک مین نقل کیا ہے لیکن افسوس ہے کہ اس روایت سے یہ نہین ثابت ہوتا کہ وہ جمع و تالیف ترتیب نزول کے خلاف تھی -

(۲) وہ حدیث جسکو احمد، ابو داؤد، ترمذی، نسائی، ابن حبان، حاکم نے ابن عباس سے نقل کیا ہے وہ کہتے ہین کہ مین نے عثمان سے کہا "یہ تم لوگون کو کیا ہو گیا تھا کہ تم نے انفال کو جو مثانی سے ہے اور براءت کو جو سورمئین سے ہے قرآن مین ملا کر لکھدیا اور انکے درمیان مین بسم اللہ بھی نہین لکھی اور پھر ان دونون کو سبع طوال مین درج کردیا"

حضرت عثمان نے جواب دیا کہ جناب رسالتمآبؐ پر مخصوص تعداد کے سورے نازل ہوا کرتے تھے تو جب کوئی آیت اترتی تھی آپ اپنے کاتبان وحی مین سے کسی کو بلا کر فرماتے تھے کہ ان آیات کو اُس سورہ مین درج کردو جسمین ایسا ایسا مضمون ہے - اور انفال اُن ابتدائی سورون مین سے ہے جو مدینہ مین نازل ہوئے تھے اور براءت سب سے آخر مین اترا تھا اور اس مین جو واقعہ مذکور ہے وہ پہلے سورہ کے مضمون سے ملتا جلتا ہوا ہے اس بناء پر مجھے گمان ہوا کہ یہ اُسی پہلے سورہ کا جزو ہے - اِسکے بعد جناب رسالتمآبؐ کا انتقال ہو گیا اور حضرت نے ہمکو نہین تبلایا کہ یہ حقیقۃً اُس

سورہ کا جزو ہے لہذا مین نے اِن دونون کو ملا کر لکھدیا اور بسم اللہ ان دونون کے درمیان مین درج نہین کی اور اُسکو سبع طوال مین داخل کر دیا۔"

اِس روایت سے معلوم ہوتا ہی کہ جناب رسالت مآبؐ کسی آیت کے مقام کو تعیین کے ساتھ نہین بتلاتے تھے۔ بلکہ یہ فرماتے تھے کہ جس سورہ مین ایسا ایسا مضمون مذکور ہے وہان درج کردو۔ یعنی آیات کی ترتیب مین مضمون کی مناسبت کا لحاظ ضروری تھا۔ اب اُن آیات کو کیا کہا جائے جو مضمون کے اعتبار سے بے جوڑ ہونے کے باوجود پہلو بہ پہلو موجود ہین اور ایک مسلسل واقعہ کے بیچون بیچ غیر متعلقہ آیات نظر آتی ہین کیا اسکے ذمہ داری اُن کاتبان وحی کے سر ہے جنکو رسالت مآبؐ اس امر کا ذمہ دار بنائے ہوے تھے یا کسی اور پر؟

(۳) وہ حدیث جس کو امام احمد نے عثمان بن ابی العاص سے نقل کیا ہی کہ مین حضرت رسولؐ کی خدمت مین بیٹھا تھا کہ ایکمرتبہ آپ نے نظر جما کر دیکھا اور پھر نظر بلند کی اور فرمایا کہ میرے پاس جبرئیلؑ آئے تھے اور انھون نے ہدایت کی ہی کہ مین اس آیت کو اِس سورہ مین اس جگہ پر رکھدون اور وہ آیت یہ ہے

ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاءِ ذی القربیٰ الخ

(۴) بخاری نے ابن زبیر کی زبانی نقل کیا ہے کہ مین نے حضرت عثمان سے کہا والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا والی آیت کو دوسری آیت نے منسوخ کر دیا ہی پھر آپ اسکو لکھتے اور اُسکو ترک کیون کرتے ہین؟ حضرت عثمان نے کہا

یا ابن اخی لا اغیر شیئاً منہ من مکانہ فرزند برادر مین اس مین سے کسی چیز کو

اُسکی جگہ سے نہین ہٹاؤنگا"

ہٹانا منظور نہ تھا اس سے حافظ سیوطی نے یہ مطلب نکالنا چاہا ہی کہ وہ بالکل حضرت

رسولؐ کی قرار داد کے پابند تھے اور جو آیت جس جگہ رکھدی گئی تھی اُس سے

لیکن در حقیقت یہ مطلب ان الفاظ سے کوئی تعلق نہین رکھتا۔ بات یہ ہی کہ

حضرت عثمان نے اختلافات سے عاجز آکر تمام لوگونکو ایک قرآن کا پابند بنانے کیلئے

زید بن ثابت کی جمع کردہ قرآن کے سوا دوسرے صحابہ کے مصاحف کو نذر آتش کرا دیا

تھا اور اس قرآن کے سات نسخہ لکھوا کر تمام عالم اسلام کے اطراف مین روانہ کر دیئے

تھے جسکے تفاصیل کے لئے آیندہ کا انتظار کرنا چاہیئے تو ابن زبیر کی اس خوردہ گیری

پر اُنھون نے جواب دیا کہ اب مین اسکے ایک حرف کو بھی اُس کی جگہ سے نہ ہٹاؤنگا

کیونکہ اس سے میری محنت اکارت ہو جائیگی۔

ان الفاظ کو ترتیب آیات کے توقیفی ہونے سے کوئی تعلق نہین ہے۔

(۵) صحیح مسلم کی حدیث حضرت عمر سے کہ مین برابر رسالتمآبؐ سے کلالہ کے معنی

پوچھا کرتا تھا آخر حضرتؐ نے (غصہ سے) اپنی انگلی میری سینہ مین بھونک کر ارشاد فرمایا

"تکفیک آیۃ الصیف التی فی آخر سورۃ النساء

تمھارے لئے کافی ہے سورہ نساء کے آخر والی آیت"

(۶) وہ احادیث جنمین مختلف سورون کا نام لیکر انکے ابتدا یا انتہا کی آیات

کی تلاوت کا ثواب بیان کیا گیا ہے یا مختلف نمازون مین رسالتمآب کا اُن سورون کو پڑہنا نقل ہوا ہے۔

لیکن در حقیقت اسمین کوئی شبہہ نہین ہی کہ قرآن مجید جناب رسالتمآب کے وقت ہی مین اور نزول کے زمانہ ہی سے سورون کی صورتمین منقسم تھا اور اِن سورون کے اسماء بھی تھے اور اُنکے آیات بھی جداگانہ تھی جسکا ثبوت اُن تمام احادیث سے ہوتا ہی کہ جنمین رسالتمآب نے خاص خاص سورونکا حوالہ دیکر بعض احکام بیان فرمائے ہین مگر تنقیح طلب مسئلہ یہ ہی کہ اُن سورونکی ترتیب کیا موجودہ ترتیب کے مطابق تھی جسمین اول کی آیت آخر اور آخر کی آیت اول مین ہو یا کچھ اور رہا اس سوال کا جواب مذکورہ بالا احادیث مین سے کسی سے بھی نہین نکلتا بلکہ اس کے برخلاف اعلم التابعین سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حبر الامۃ ترجمان القرآن عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہی کہ کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لا یعرف ختم السورۃ حتی ینزل علیہ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت رسول کو اُسوقت معلوم ہوتا تھا کہ سورہ ختم ہو گیا جسوقت بسم اللہ الرحمن الرحیم نازل ہوتی تھی"

دوسری روایت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہی کنا لا نعلم فصل ما بین السورتین حتی ینزل بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

"ہم کو دو سورونکا فاصلہ معلوم نہوتا تھا جب تک کہ بسم اللہ الرحمن الرحیم

نازل نہ ہوتی تھی -

اِن دونون روایتون کو مشہور و مسلم الثبوت مفسر امام واحدی نے کتاب اسباب النزول (طبع مصر صلا) مین درج کیا ہے اور اِن دونون روایتون سے صاف ظاہر ہے کہ ایک بسم اللہ نازل ہونے کے بعد دوسری بسم اللہ نازل ہونے تک جو کچھ اترتا تھا وہ ایک سورہ سمجھا جاتا تھا اور اُس بسم اللہ سے لیکر تیسری بسم اللہ کے اترنے تک تیسرا سورہ اور علی ہذا القیاس - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آیات کی ترتیب اور سورون کا انقسام براہ راست سلسلۂ تنزیل کے مطابق تھا اور اُسمین کسی الٹ پھیر کو دخل نہ تھا اور موجودہ ترتیب کو کوئی تعلق سور و آیات کی مقررشدہ ترتیب کے ساتھ نہین ہے -

اور پھر جبکہ مستند محدثین کے محررات مین ایسے روایات پائے بھی جاتے ہین جنسے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ جمع و تدوین کے سلسلہ مین کسی توقیف و قرار داد کی پابندی خیال نہ کی گئی تھی چنانچہ حافظ سیوطی نقل کرتے ہین - اخرج ابو داؤد فی المصاحف من طریق محمد بن اسحٰق عن یحییٰ بن عباد عن عبد اللہ بن الزبیر عن ابیہ قال اتی الحارث بن خزیمۃ بھاتین الآیتین من اخر سورۃ براءۃ فقال اشھد انی سمعتھما من رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ووعیتھما فقال عمر وانا اشھد لقد سمعتھما ثم قال لو کانت ثلث ایات لجعلتھا سورۃ علی حدۃ فانظروا اخر سورۃ من القران فالحقوھا فی اخرھا -

مشہور حافظ حدیث ابن ابی داؤد نے باسناد خود زبیر بن العوام سے روایت کی ہے کہ حارث بن خزیمہ موجودہ سورۂ برائت کی دونوں آخری آیتیں (لقد جاءکم رسول الخ) لیکر آئے اور کہا مین گواہی دیتا ہون کہ مین نے رسالتمآب کو انھیں پڑھتے ہوے سنا ہے اور یاد کیا ہے۔ حضرت عمر نے کہا مین گواہی دیتا ہون کہ مین نے ان دونوں آیتون کو حضرت کی زبان سے سنا ہے۔ پھر حضرت عمر نے فرمایا کہ اگر یہ تین آیتین بھی ہوتین تو مین انھین مستقل سورہ قرار دے دیتا اب کسی سورہ کے آخر مین دیکھکر انکو اُس مین ملحق کر دو۔

شیخ الاسلام حافظ ابن حجر اس روایت کی وجہ سے بڑے ششدر پنج مین پڑ گئے ہین اور سیوطی نے اس روایت کو نقل کرنے بعد لکھا ہے کہ۔

یعارضہ ما اخرجہ ابن ابی داؤد ایضا من طریق ابی العالیۃ عن ابی بن کعب انھم جمعوا القرآن فلما انتھوا الی الآیۃ التی فی سورۃ براءۃ ثم انصرفوا صرف اللہ قلوبھم بانھم قوم لا یفقھون ظنوا ان ھذا آخر ما انزل فقال ابی ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اقرأنی بعد ھذا آیتین لقد جاءکم رسول الی آخر السورۃ۔

"اس حدیث کے معارض ہے وہ جسکو خود ابن ابی داؤد نے ابو العالیہ کے طریق سے ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ صحابۂ کرام نے قرآن جمع کیا تو جب اس آیت تک پہونچے جو سورۂ برائت مین ہے کہ ثم انصرفوا صرف اللہ قلوبھم بانھم

قوم لا یفقھون تو خیال ہوا کہ یہ سب سے آخری آیت ہے جو رسالت مآبؐ پر نازل ہوئی تھی، ابی نے کہا کہ مجھکو رسالت مآبؐ نے اسکے بعد دو آیتین اور یاد کرائی تھین کہ لقد جاءکم رسول الخ"

لیکن افسوس ہے کہ جب اس حدیث کے متن پر نظر ڈالی جاتی ہے تو وہ ایسی کمزوریون پر مشتمل ہے جن کی بنا پر وہ خود اپنے صحت و اعتبار کو سنبھال نہین سکتا، دوسری روایت سے معارضہ کر سکنا کیا معنی رکھتا ہے!

پہلے تو تمام صحابہ کا یہ خیال کرنا کہ ثم انصرفوا صرف اللہ قلوبھم والی آیت بالکل آخری ہے اور ابی کا صرف اس امر کو ظاہر کرنا کہ اسکے بعد دو آیتین اور ہین اس امر کا صاف مظہر ہے کہ ان دونون آیتون مین ابی بن کعب متفرد تھے پھر صرف اُنکی گواہی پر یہ دونون آیتین قرآن مین درج کیونکر ہو گئین جبکہ مقررہ اصول کے مطابق جب تک دو گواہ موجود نہوتے کسی آیت کو درج قرآن نہ کیا جاتا تھا یہان تک کہ اس معاملہ مین حضرت عمرؓ کی شخصیت کا لحاظ نہ کیا گیا اور اُنکی گواہی کو اس بنا پر مسترد کر دیا گیا کہ وہ اپنی گواہی مین تنہا تھے اور کوئی اُنکے ساتھ نہ تھا۔

اور پھر بقول ان حضرات کے زید بن ثابت صاحب عرضۂ اخیرہ تھے یعنی آخری مرتبہ جو جبرئیل امین کے ساتھ قرآن کا مقابلہ ہوا تھا اُس مین یہ حاضر تھے اور ابی بن کعب بیچارے اس شرف سے محروم بلکہ وہ قدیم نازل شدہ

قرآن کی تعلیم حاصل کئے ہوئے تھے اور اسی بناء پر جمع قرآن کیلئے ابی کو چھوڑ کر زید بن ثابت کو منتخب کیا گیا تو پھر ایک ایسی آیت جس پر زید مطلع نہ تھے ابی بن کعب کی گواہی پر درج کیونکر کر دی گئی؟ کیا اُس مین یہ شبہ نہ ہوسکتا تھا کہ وہ منسوخ التلادۃ ہو اور اسی وجہ سے عرضۂ اخیرہ والے زید بن ثابت کے وہ گوش گذار نہوئی ۔

اس کے علاوہ اُنلوگون کو اُس آیت کے متعلق یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ وہ رسالت مآبؐ پر سب کے بعد نازل ہوئی ہے لیکن ابی بن کعب نے بتلایا کہ نہین رسالت مآبؐ نے مجھکو دو آیتین اور اسکے بعد یاد کرائی ہین "

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابی بن کعب کے نزدیک قرآن کی اصل ترتیب تاریخ نزول کے مطابق تھی ورنہ اس آیت کے بعد دو آیتون کا یاد کرانا کبھی اس امر کی دلیل ہوتا کہ انکے قبل والی آیت سلسلہ تنزیل کے اعتبار سے بھی آخری نہین ہے ۔

اور پھر جبکہ طریقۂ جمع و تالیف والے احادیث سے درایۃً یہ امر نا ممکن معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ ترتیب مین اصلی سلسلۂ ترتیب کا نظم و نسق محفوظ رہا ہو اسلئے کہ زید بن ثابت نے کہ جو جمع قرآن کے ذمہ دار قرار دیئے گئے تھے یہ کہا کہ کنت اجمعہ من الرقاع والعسب واللخاف وصدور الرجال مین اُسکو کاغذ کے پرزون ، درخت کی چھالون ، پتھر کے ٹکڑون اور لوگون کے سینون سے

جمع کرتا تھا۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ آیات قرآن مجتمع و منظم صورت مین موجود
ہی نہ تھے اور نہ اُس طرح کسی سینہ کے اندر محفوظ تھے پھر اگر حقیقۃً اُن آیات
کے اندر کوئی ترتیب قائم تھی بھی تو اُس ترتیب کی پابندی اس صورت سے
جمع و تالیف مین کیونکر ممکن ہے بلکہ فطرۃً لازمی نتیجہ یہ ہے کہ آخر کا اول اور
اول کا آخر ہو جائے اور اِس طرح موجودہ ترتیب کی ذمہ داری کسی طرح
خدا ورسول پر عائد نہین ہو سکتی۔

اگر غور کیا جائے تو ترتیب نزول کو سور و آیات قرآن کی افادی حیثیت
مین بہت بڑی اہمیت حاصل ہے۔ فلسفۂ تاریخ کی خبر رکھنے والے اس امر کا
اندازہ رکھتے ہین کہ واقعات کے تسلسل کو اُنکی نوعیت سمجھنے مین کتنا بڑا
دخل ہوتا ہے اور واقعات کے اُلٹ پُلٹ ہو جانے سے اکثر باتونکی تہ تک
پہونچنے مین کیسی رکاوٹین پیدا ہو جاتی ہین۔

درحقیقت بہت سے اختلافات جو آیات قرآن کے معانی مین
پائے جاتے ہین وہ اسی ترتیب نزول کے برقرار نہونے کا نتیجہ ہین
اِسی بناء پر حضرت رسول اکرم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے
بڑے راز دار اور مصالح تنزیل کے سب سے زائد باخبر امیر المومنین علی
بن ابی طالبؑ نے اس ضرورت کا احساس کیا اور اس اہم خدمتکی ذمہ داری
اپنے اوپر لیکر قرآن مجید کو نزول کے مطابق جمع فرمایا جس کو علامہ سیوطی نے

اس طرح لکھا ہے کہ فمنہم من رتبہا علی النزول وھو مصحف علی کان اولہ اقرأ ثم المدثر ثم ن ثم المزمل ثم تبت ثم التکویر وھکذا الی آخر المکی والمدنی صحابہ مین سے بعض نے اُس کو نزول پر مرتب کیا اور وہ علیؑ کا مصحف ہے جسکی ابتداء اقراء سے اور اسکے بعد مدثر اور پھر قلم اور پھر مزمل پھر تکویر اور اسی صورت پر آخر تک مکی ومدنی سورے ترتیب وار درج ہین۔ (اتقان ج ۱ صفحہ ۶۳ - ۶۴)

اور حقیقۃً یہ کام سوائے امیر المومنین کے اور کوئی انجام بھی نہ دے سکتا تھا اس لیے کہ عہد رسالت مآبؐ مین قرآن کے آیات جو لکھوائے جاتے تھے وہ کاغذ کے پرزون اور درخت کی چھالون اور پتھر کے ٹکڑون پر جنکا مرتب صورت سے کسی مقام پر محفوظ ہونا ناممکن تھا اور صحابۂ کرام جو قرآن مجید یاد کرتے تھے وہ بھی کسی ترتیب کے ساتھ نہ تھا جسکا اعتراف علامہ شیخ مصطفٰے صادق رافعی نے اپنی کتاب اعجاز القرآن مین کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہین۔

کان القرآن مرتب الآیات غیر انہ لم یکن مجموعا بین دفتین ولا یؤمن ان یضطرب نسق مجموعہ فی ایدی الناس باضطراب القطع التی کتب فیها تقدیما وتأخیرا ولم یلزم الناس لقرأتہ بین دفتین الی السور وذلک ان الواحد منہم اذا حفظ سورۃ او کتبہا ثم خرج فی سریۃ فنزلت سورۃ اخری فانہ کان اذا رجع یأخذ فی حفظ ما ینزل بعد رجوعہ وکتابتہ ویتتبع ما فاتہ علی حسب ما یسہل لہ اکثرہ او قلہ فمن ثم یقع فیما یکتبہ تاخیر

المقدم و تقدیم المؤخر۔

"قرآن کے آیات بجائے خود ترتیب رکھتے تھے لیکن وہ کسی ایک شیرازہ مین منسلک نہ تھے لہذا یہ اطمینان نہ ہو سکتا تھا کہ اُس کا نظم و نسق لوگون کے ہاتھ مین اُن ٹکڑون کے الٹ پلٹ ہو جانے کی وجہ سے جن پر آیات درج تھی بدل جائیگا اور پھر اُس زمانہ مین لوگ ترتیب کے ساتھ سورون کے حفظ پر بھی مامور نہ تھے بلکہ صورت یہ تھی کہ ایک شخص انہین سے جب کوئی سورہ یاد کرتا تھا یا اُس کو اپنے پاس لکھتا تھا اور اسکے بعد اُس کو کسی معرکہ جہاد مین جانیکا اتفاق ہو جاتا تھا تو اس دوران مین بھی کچھ نہ کچھ آیات قرآن اور سورے نازل ہوتے تھے۔ جب وہ صحابہ واپس آتے تھے تو اب وہ اُن آیات کو، جو تازہ نازل ہوتی تھین یاد کرنا اور لکھنا شروع کر دیتے تھے اور باقی ماندہ مقدار کو تھوڑا تھوڑا اپنے پاس لکھتے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے اُنکے مکتوبہ آیات مین اول کا آخر اور آخر کا اول ہو جایا کرتا تھا۔

(اعجاز القرآن طبع مصر ص۳۳)

اِس طرح اِن صحابہ کے لئے یہ ممکن نہ تھا کہ وہ قرآن مجید کو سلسلۂ تنزیل کے مطابق یاد کرین اور پھر جبکہ ان مین سے کوئی بھی آیات قرآن کے نزول کے موقع پر برابر موجود بھی نہ تھا۔ بلکہ انہین سے اکثر ہجرت کے بعد اسلام لانیوالے تھے جنکی غیبت مین کثیر حصہ قرآن مجید کا نازل ہو چکا تھا اور انھین اطلاع بھی نہ تھی کہ کون آیت کب اور کس موقع پر نازل ہوئی اسکے لئے تو ایک ایسے ہی شخص کی ضرورت تھی جو رسالتمآب

کے پاس اوائل زمانہ بعثت سے اس طرح ساتھ رہا ہو جیسے جسم کے لئے سایہ اور سفر و حضر، تنہائی مین اور مجمع مین آپ کا ہمنفس رہا ہو۔ جس کی تعلیم کا بذاتِ خود حضرت کو اتنا خیال ہو............ جس کی تصویر کشی شاگرد نے اِن الفاظ سے کی ہو "اذا سألت اجابنی واذا سکتت ابتدانی جب مین دریافت کرتا تھا تو جواب دیتے تھے اور جب مین چپ رہتا تھا تو خود سے مجھ کو تعلیم فرماتے تھے۔ جس کا دعویٰ یہ ہو کہ "واللّٰہ ما نزلت آیۃ الا وقد علمت فیما نزلت واین نزلت وعلی من نزلت ان ربی وھب لی قلبا عقولا ولسانا ناطقا خدا کی قسم کوئی آیت نازل نہین ہوئی مگر یہ کہ مین جانتا ہون وہ کاہے مین اور کہان اور کس کے متعلق نازل ہوئی خدا نے مجھ کو باخبر دل اور گویا زبان عطا کی ہے"!

یا یہ کہ "سلونی عن کتاب اللّٰہ فانہ لیس من آیۃ الا وقد عرفت بلیل نزلت ام بنھار ام فی سھل ام فی جبل" مجھ سے کتاب خدا کے متعلق سوال کرو مین سے کوئی آیت نہین مگر یہ کہ مین جانتا ہون وہ شب کو نازل ہوئی یا دن کو سہل مین یا جبل مین (دونون روایتون کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ الخلفا سیوطی صـ۱۸۴ بحوالہ (طبقات ابن سعد)

اسی بنا پر حضرت کا اس فرض کو ادا کرنا درحقیقت اسلام کی وہ عظیم خدمت تھی جسکی مسلمان جتنی بھی قدر کرتے کم تھی' اس طرح قرآن خود اپنے مندرجہ حقائق کی ایک مرتب تفسیر ہوتا جس سے نہ معلوم کتنے مشتبہ غوامض حل ہو جاتے۔

اور پھر جبکہ اس فرض کی اہمیت کا اندازہ خود صدر اسلام کے مسلمانون کو

تھا بھی لیکن وہ صورت حال کی بناء پر اسکو غیر ممکن الوقوع سمجھتے تھے جیساکہ علامہ سیوطی کی اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد بن سیرین نے عکرمہ سے پوچھا "الفوہ کما انزل الاول فالاول" کیا صحابہ نے قرآن کو ترتیب نزول کے مطابق سلسلہ وار جمع کیا تھا؟ عکرمہ نے کہا "لو اجتمعت الانس والجن علی ان یولفوہ ھذا التالیف ما استطاعوا" "اس صورت سے تو اگر تمام جن و انس بھی جمع ہوتے قرآن مجید کو جمع نہ کرسکتے تھے" (اتقان صہ ۶۹)

بیشک اس فقرہ کی تعمیمی وسعت میں تنگ نظری و کوتاہ بینی کا عنصر نمایاں ہے۔ گھر کی چار دیواری میں آنکھ کھولنے والا صحرا کی وسعت کا اندازہ نہیں کرتا کال کوٹھری میں پوری زندگی گذار دینے والا اپنی دنیا اسی کال کوٹھر میں محدود سمجھتا ہے۔

اور اسی لئے عکرمہ کو نمایاں ہستیوں اور ذمہ دار شخصیتوں کے مبلغ علم پر نظر کرکے یہ حکم لگا دینے کا حق ضرور تھا کہ سمندر انہی اٹھتے ہوئے حبابوں میں منحصر ہے۔ انھیں کیا معلوم کہ محراب عبادت کے تاریک زاویوں میں اور نخلستان یہود کی درختوں کے پاس مشکیزہ بردوش ایسی ہستی بھی ہوسکتی ہے جسکے سامنے یہ مشکل مشکل نہیں ہے وہ رسول کا حقیقی وارث علم ہے جس نے براہ راست معدن وحی و تنزیل سے اسرار تنزیل کو حاصل کرکے گنجینہ کی صورت میں محفوظ کیا ہے اور اسی بنا پر اسے حق پہونچتا ہے کہ وہ اسکے حقیقی صورت پر جمع و تالیف کے فرض کو انجام دے۔

اب یہ امر "امورِ مملکت خویش" کے تحت مین شاید زبان کشائی سی بلند و بالا سمجھا جائے کہ پھر آخر جمع قرآن کے موقع پر امیر المومنین کے جمع کردہ مصحف کو کم سے کم لے کر دیکھنے یا آپ کو جمع قرآن کے کام مین شریک کرنے یا بالا بالا کم از کم آپ سے مشورہ لینے ہی کی ضرورت کیون نہ سمجھی گئی۔

یہ تاریخ کا حیرت انگیز کرشمہ نہین تو کیا ہے کہ علامہ مصطفٰے صادق رافعی "اعجاز القرآن" مین لکھتے ہین۔

مما لیس فیہ ریب ان منھم قوماً جمعوا القرآن کلہ لذلک العھد وقد اختلفوا فی تعیینھم بید انھم اجمعوا علی نفر منھم علی بن ابی طالب و معاذ بن جبل و ابی بن کعب و زید بن ثابت و عبد اللہ بن مسعود و ھولاء کانوا امادۃ ھذا الامر من بعد فان المصاحف التی اختصت بالثقۃ کانت ثلاثۃ مصحف ابن مسعود و مصحف ابی و مصحف زید۔

"اس مین شبہہ نہین کہ صحابہ مین سے بعض حضرات نے تمام قرآن اُسی زمانہ مین جمع کر لیا تھا اور اُن لوگون کی تعیین مین اختلاف ہے لیکن مذکورۂ ذیل اشخاص کے متعلق اجماع ہے علیؑ بن ابی طالب، معاذ بن جبل۔ ابی بن کعب، زید بن ثابت عبد اللہ بن مسعود۔ اور یہی لوگ بعد کے لئے اس امر کے سرچشمہ تھے اسلئے کہ جو مصاحف بعد مین مخصوص طور پر قابل اعتماد سمجھے گئے وہ یہ تین تھے۔ مصحف ابن مسعود، مصحف ابی، مصحف زید (صفحہ ۳۵ - ۳۶)

اول و آخر کی تطبیق کے بعد نتیجہ صاف ظاہر ہے کہ باجماع امت علی بن
ابی طالبؑ نے قرآن جمع کیا تھا لیکن صحابہ کو اعتماد جو پیدا ہوا وہ ابی بن کعب
اور عبد اللہ بن مسعود اور زید بن ثابت کے جمع کردہ قرآن پر اور بس۔

اب امیر المومنینؑ کے لئے طریق کار دو صورتون مین منحصر تھا۔ ایک یہ کہ
آپ اپنے جمع کردہ مصحف کو منظر عام پر لاکر اُسکی نشر و اشاعت مین اپنی پوری
کوشش صرف فرماتے اور مسلمانون کو اُس پر عمل کی دعوت دیتے۔ یہ صورت بیشک مسلمانون
کے لئے اُن فوائد سے استفادہ کا موقع پیدا کرتی کہ جو آیات قرآن کے سلسلہ نزول
کے ساتھ مرتب ہونے مین حاصل ہو سکتے ہین لیکن اس سے اسلام کی ہیئت اجتماعیہ
کو ایک عظیم صدمہ پہونچتا یعنے اُنکے لئے ایک قرآن کے بجائے دو قرآن ہو جاتے جو اقوام
عالم مین اسلام کی عظمت و روحانیت کے لئے سم قاتل کا حکم رکھتا تھا۔ اور پھر
اسکی کوئی ضمانت نہ تھی کہ ابی بن کعب و عبد اللہ بن مسعود وغیرہ والے مصحفون کے
ساتھ تیسرے دور مین وہ بھی نذر آتش نہ کردیا جاتا۔

دوسرے یہ کہ آپ باوجود اختلاف مسلک کے مفاد اسلامی کا لحاظ کرتے
ہوئے اپنے مرتب کردہ قرآن کو اپنے پاس محفوظ رکھکر عملی طور سے اسی صورت کو
تسلیم کرلین جسکو مسلمانون کے ذمہ دار افراد نے اپنی صوابدید سے تجویز کرلیا تھا اور
اپنے متبعین کو اسی پر عمل کی دعوت دین اسطرح امیر المومنینؑ کی ذاتی حیثیت سے اگرچہ
ایک حد تک شکست بھی جا سکتی ہے یعنی یہ کہ انکا مرتب کردہ قرآن مقبولیت عامہ کے درجہ

کو حاصل نہ کر سکا بلکہ خود آپکو دوسروں کی صوابدید کا پابند ہونا پڑا لیکن اُنھوں نے مفاد اسلامی کی خاطر کبھی اپنے ذاتی مفاد کا لحاظ نہیں کیا۔

اُنھوں نے اسی اسلامی شیرازہ کی نگہداشت کے لیئے اپنے حق کو حاصل کرنے مین زبانی احتجاج پر اکتفا کرتے ہوئے کبھی عملی اقدام نہین کیا۔ اُنھون نے اسی کی خاطر ستائیس برس تک خانہ نشینی گوارہ کی اور مقابلہ کا خیال بھی دل مین نہ لائے۔

انجام بین اور عاقبت اندیش حافظ اسلام نے اِن دونوں صورتوں کا موازنہ کیا اور پہلی صورت کو دوسری صورت سے زیادہ خطرناک پایا۔ بیشک اگر موجودہ قرآن مین ایسی تغییر و تبدیل پاتے جس سے احکام الٰہیہ اور شریعت اسلامیہ پر کوئی اثر پڑتا ہی تو وہ ضرور اسکے خلاف مظاہرہ کرکے جس صورت سے بھی ممکن ہوتا حقیقی قرآن کی نشر و اشاعت کرتے لیکن صورتِ حال اسکے خلاف تھی۔ اُنھون نے اپنے مرتب کردہ قرآن کو اپنے پاس محفوظ رکھکر موجودہ قرآن کو عملی حیثیت سے تسلیم کرلیا۔ اس طرح اگرچہ وہ فوائد جو ترتیب نزول کی بنا پر حاصل ہوسکتے تھے حاصل نہ ہوسکے لیکن اسلامی عقیدۂ قرآن کا شیرازہ درہم و برہم ہونے سے محفوظ رہا اور موجودہ قرآن کو تسلیم کرکے اُنھون نے اپنے متبعین کو قرآن موجود پر ایمان لانے کا ایک مستند ذریعہ دیا جسکی بنا پر وہ اسکو کلام الٰہی اور کتاب سماوی سمجھنے پر مجبور ہین۔ اس جزو کی تفصیل کیلئے ابھی آئندہ کا انتظار کرنا چاہیئے ہم تو ابھی جمہور مسلمین کے نقطۂ نظر سے یہ دکھلانا چاہتے ہین کہ عام محدثین نے قرآن مجید

کے متعلق کس کس قسم کے روایات درج کیے ہین اور وہ ایمان بالقرآن کے معیار پر ٹھیک اُترتے ہین یا نہین۔

آیات قرآنمین صحابہ کے اختلافات

قرآن مجید مین صحابہ کا اختلاف صرف سلسلۂ ترتیب مین منحصر نہ تھا بلکہ آیات قرآن مین بھی بہت نمایان اختلافات پائے جاتے تھے چنانچہ صحیح بخاری مین "مناقب ابن مسعود" کے ذیل مین یہ روایت موجود ہے۔

حدثنا موسی عن ابی عوانۃ عن مغیرۃ عن ابراھیم عن علقمۃ قال دخلت الشام فصلیت رکعتین فقلت اللھم یسر لی جلیسا صالحا فرأیت شیخا مقبلا فلما دنا قلت ارجوان یکون استجاب قال من این انت قلت من اھل الکوفۃ قال فلم یکن فیکم صاحب النعلین والوسادۃ والمطھرۃ اولم یکن فیکم الذی اجیر من الشیطان اولم یکن فیکم صاحب السر الذی لا یعلمہ غیرہ کیف قرأ ابن ام عبد واللیل اذا یغشی فقرأت واللیل اذا یغشی والنھار اذا تجلی والذکر والانثی فقال اقرأنیھا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فاہ الی فی فما زال ھؤلاء حتی کادوا یردونی

علقمہ کا بیان ہو کہ مین شام گیا اور دو رکعت نماز پڑھ کر خدا سے دعا کی کہ خداوند میرے لیے ایک اچھا ہمنشین پیدا کردے یکایک ایک ضعیف العمر آدمی آتے ہوے نظر آیا جب میرے قریب آیا تو مین نے کہا کہ انشاء اللہ میری دعا مستجاب ہوئی ہو اس نے کہا کہ تم کون ہو مین نے کہا کہ کوفہ کا رہنے والا ہون" کوفہ کا نام سنکر اُنھون نے حذیفہ اور عمار کا تذکرہ

کیا اور پھر کہا کہ سچ بتاؤ ابن مسعود والليل اذا يغشى والی آیت کو کیونکر پڑھا کرتے تھے میں نے کہا والليل اذا يغشى والنهار اذا تجلى والذكر والانثى ضعیف العمر نے کہا کہ مجھکو بھی رسالت مآب ؐ نے اپنی زبان مبارک سے یونہی یاد کرایا تھا لیکن ان لوگون نے اس کے خلاف مجھ پر اتنا زور ڈالا کہ قریب تھا میں اس قراءت کو ترک کر دون۔

(بخاری مطبوعہ کرزن پریس دہلی صفحہ ۵۳)

یہی حدیث اسکے قبل مناقب عمار و حذیفہ کے تحت مین دو طریقون سے مذکور ہے جن مین تصریح ہے کہ وہ بزرگ جن سے ملاقات ہوئی تھی ابو الدرداء تھے اور دو طریقون سے باب من لغی الوسادة صفحہ ۹۱۹ مین مذکور ہے۔ قرآن مجید کی موجودہ آیت مین وما خلق الذكر والانثى ہے اور معلوم ہوا کہ ابن مسعود اور ابو درداء دونون اس کو والذكر والانثى پڑھا کرتے تھے۔

علامہ شیخ عبد اللطیف صادق رافعی نے بھی جمع قرآن کا تذکرہ کرنے کے بعد لکھا ہے کہ

بقيت تلك الصحف عند ابى بكر ينتظر بها وتيقان يحين حتى اذا توفى سنه ۱۳ھ صارت بعده الى عمر فكانت عنده حتى مات ثم كانت عند حفصة ابنته صدرا من ولاية عثمان وبومئذ اتسعت الفتوح وتفرق المسلمون فى الامصار فاخذ اهل كل مصر عن رجل من بقية القراء فاهل دمشق وحمص اخذوا عن المقداد بن الاسود واهل الكوفة عن ابن مسعود واهل البصرة عن ابى موسى الاشعرى وقرأ كثير من اهل الشام بقراءة ابى بن كعب

"وکانت وجوہ القراءة التی یؤدون بها القرآن مختلفة" وہ صحف جو زید بن ثابت نے جمع کئے تھے حضرت ابوبکر کے پاس باقی رہے اور وہ اُنکے متعلق توقیع کے منتظر رہے یہاں تک کہ انکا انتقال ہو گیا۔ پھر حضرت عمرؓ کے پاس رہے یہاں تک کہ اُن کا انتقال ہوا پھر اُن کی صاحبزادی حفصہ کے پاس حضرت عثمان کی خلافت کے ابتدائی دور میں محفوظ رہے۔ اس زمانہ میں اسلامی فتوحات کا دائرہ وسیع ہو چکا تھا اور مسلمان اطراف عالم میں منتشر ہو گئے تھے۔ لہٰذا ہر شہر والوں نے ایک شخص سے حفاظ قرآن میں سے قرآن کی تعلیم حاصل کی۔ اہل دمشق نے مقداد بن اسود سے اور اہل کوفہ نے ابن مسعود سے اور اہل بصرہ نے ابو موسیٰ اشعری سے اور بہت اہل شام نے ابی ابن کعب کی قراءت سے پڑھنا شروع کیا اور قراءت کے اصول جن پر وہ لوگ قراءت کرتے تھے مختلف تھے (اعجاز القرآن ص ۳۸)

لیکن اس اختلاف کی ذمہ داری بھی رسالت مآبؐ کی طرف عائد ہوتی اُن احادیث کی بناء پر جنمیں یہ وارد ہوا ہے کہ انزل القرآن علی سبعة احرف "قرآن سات حرفوں پر نازل ہوا ہے"

اگرچہ ان احادیث کو معنی تک متشابہ سمجھے گئے کہ ان میں اختلافات کی حد یہاں تک پہنچی کہ ابو حاتم محمد بن حبان بستی متوفی ۳۵۴ھ نے ان احادیث کے متعلق علماء کے اقوال کو ۳۵ کی تعداد تک پہنچا دیا اور اکثر معانی کی بنا پر انکو الفاظ قرآنی کے اختلافات سے کوئی تعلق ہی نہیں رہتا لیکن موجودہ صحابہ سے جس قسم کی تائید

حاصل ہوتی ہے اور جس پر علمائے اہلسنت نے صحابۂ کرام کے اختلافات کو منطبق کیا
ہے وہ یہی ہے کہ حروف سے مراد آیات قرآن مین اپنے اپنے ذوق و زبان کے مطابق
الفاظ کا تغیر و تبدل ہے کہ جس سے مطالب پر کوئی اثر نہ پڑے اسلئے کہ صحابہ مختلف
قبائل سے تعلق رکھتے تھے اور ہر قبیلہ کے لئے اکثر الفاظ کا تلفظ جو دوسرے قبیلہ مین
متداول ہین دشوار تھا اسلئے خداوند عالم کی جانب سے رسالت مآبؐ کو قرآن مجید
کے الفاظ کو زیادہ سے زیادہ سات طریقہ پر پڑھنے کی اجازت دی گئی اور حضرت
ہر قبیلہ کے شخص کو اُسی کے محاورہ کے مطابق قرآن کی تعلیم دیتے تھے۔ چنانچہ
نقیب السادۃ الاشراف بالدیار المصریہ سید محمد علی ببلاوی اپنی کتاب "التعریف
بالنبی و القرآن الشریف مطبوعہ مصر ۱۳۲۵ھ ص [illegible]) مین احرف سبعہ کی تفسیر کرتے
ہوئے لکھتے ہین۔ المختار ان معنی نزول القران علی سبعة احرف اشتماله علی
سبعة اوجه يقرأ القارى بأىّ وجه منها على البدل من صاحبه فايها سمع
القارى من النبى صلى الله عليه و سلم قرأ به
فقد وسع النبى صلى الله عليه وسلم ان يقرئ كل جمع بالحروف اى اللغات
التى مرنت عليها السنتهم فالهذلى يقرأ عتى حين بدل حتى حين والاسدى تعلمون بكسر التاء بدل
تعلمون بفتح التاء و لو اراد كل فريق ان يزول عن لغته وما جرى عليه لسانه طفلا وناشئا وكهلا لشق ذلك
غاية المشقة فاتيح للنبى صلى الله عليه وسلم ان يقرأهم بلغاتهم تيسيرا من الله
على خلقه وتحقيقا لما اتصف به صلى الله عليه و سلم من الرافة

بامتداد الشفقة علیہم -

قول مختار یہ ہے کہ معنی سات حرفوں پر نزول قرآن کے یہ ہیں کہ اُس میں سات صورتیں پائی جاتی ہیں جنکے ساتھ ادل بدل کر اُسکو پڑھا جا سکتا ہے تو اُن صورتوں میں سے جس طرح بھی رسالت مآبؐ کی زبان سے گوش گذار ہو جائے اُس صورت سے پڑھنا جائز ہوگا کیونکہ رسالت مآبؐ کو اجازت دی گئی تھی کہ وہ ہر جماعت کو اُسی کی مادری زبان اور فطری محاورہ کے مطابق قرآن کی تعلیم دیں تو قبیلہ بنی ہذیل کا شخص مثلاً حتی حین کو عتی حین پڑھ سکتا تھا اور بنی اسد کا آدمی تعلمون بفتح تاء کو تعلمون - بکسر تا پڑھنے کا حق رکھتا تھا - اور اگر ہر قبیلہ یہ چاہتا کہ اپنے روزمرہ محاورہ کو ترک کردے جس کا وہ بچپنے جوانی اور ادھیڑپن میں عادی ہو چکا ہے تو اسمیں اُس کے لئے بہت بڑی دشواری پیش آتی اسلئے رسالت مآبؐ کیلئے جائز قرار دیا گیا کہ وہ اونکو اُنھی کی زبان میں قرآن کی تعلیم دیں - اس طرح خداوند عالم کی طرف سے اپنے مخلوق کے لئے سہولت پیدا کی گئی اور حضرت رسولؐ کی مہربانی و شفقت اپنی امت پر پایۂ ثبوت کو پہونچی "

یہ اختلاف معمولی طریقۂ تلفظ یا صرف حرکات حروف میں محدود نہ تھا بلکہ یہ اختلاف اس حد پر تھا کہ جس سے صحابہ کرام کو بعض اوقات تشویش اور اضطراب پیدا ہو جاتا تھا اور آخر جب جناب رسالت مآبؐ کی طرف رجوع کرتے تھے تو حضرت فرماتے تھے کہ دونوں ٹھیک ہیں جیسا کہ صحیح بخاری کی اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے

کہ حضرت عمر فرماتے ہیں۔

سمعت هشام بن حکیم یقرأ سورة الفرقان فی حیوة رسول الله صلی الله
علیه وسلم فاستمعت لقرأته فاذا هو یقرأ علی حروف کثیرة لم یقرئنیها رسول الله
صلی الله علیه وسلم فکدت اساوره فی الصلوة فتصبرت حتی سلم فلببته بردائه
فقلت من اقرأک هذه السورة التی سمعتک تقرأ قال اقرأنیها رسول الله
صلی الله علیه وسلم فقلت کذبت فان رسول الله صلی الله علیه وسلم قد
اقرأنیها علی غیر ما قرأت فانطلقت به اقوده الی رسول الله صلی الله
علیه وسلم فقلت انی سمعت هذا یقرأ بسورة الفرقان علی حروف لم
تقرئنیها فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم ارسله اقرأ یا هشام فقرأ
علیه القرأة التی سمعته یقرأ فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم کذلک
انزلت ثم قال اقرأ یا عمر فقرأت القرأة التی اقرأنی فقال رسول الله صلی الله علیه
وسلم کذلک انزلت ان هذا القرآن انزل علی سبعة احرف فاقرأوا ما تیسر منه

یعنی ہشام بن حکیم کو جناب رسالتمآبؐ کی زندگی میں سورہ فرقان پڑھتے دیکھا،
میں نے غور سے سننا شروع کردیا تو معلوم ہوا کہ وہ بہت سے ایسے الفاظ پڑھ رہے
تھے جنکے ساتھ مجھکو رسالتمآبؐ نے اُس سورہ کی تعلیم نہیں دی تھی۔ بس قریب تھا
کہ نماز ہی میں اُنسے جھگڑا شروع کروں مگر نفس پر جبر کرکے میں نے صبر کیا یہانتک کہ اُنھوں
نے سلام پھیرا، اُسوقت میں نے بڑھ کے اُنکی چادر کا پھندا بنا کر اُنکے گلے میں ڈالا

اور اُسکو کھینچکر کہا کہ تم کو یہ سورہ جو مین نے تھین پڑہتے سُنا کس نے یاد کرایا ہے ؟
اُنھون نے کہا کہ مجھہ کو جناب رسالت مآب نے اس کی تعلیم دی ہے۔ مین نے کہا تم بالکل
غلط کہتے ہو، رسالت مآبؐ نے خود مجھ کو اس سورہ کی تعلیم دی ہے اس صورت سے
جداگانہ کہ جس طرح تم نے پڑھا، یہ کہکر مین اُنھین کھینچتا ہوا رسالت مآبؐ کے پاس لایا
اور کہا کہ دیکھیے تو یہ سورہ فرقان کو ایسے الفاظ کے ساتھ پڑھتا ہے جس کے خلاف
آپ نے مجھہ کو تعلیم دی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ "اُسے چھوڑ دو (پھر ہشام کی طرف مخاطب
ہوکر) کیون پڑھو تو! کیونکر پڑہتے ہو؟" ہشام نے سورہ کو اُسی طرح سے پڑھا جس طرح
مین نے اُنسے سنا تھا حضرت نے فرمایا۔ بیشک یہ سورہ اس طرح نازل ہوا ہے"
پھر مجھ سے فرمایا اچھا تم پڑھو" مین نے بھی اُسی صورت سے جس طرح مجھ کو یاد تھا پڑھا
حضرت نے فرمایا ہان اسطرح بھی نازل ہوا ہے پھر فرمایا کہ یہ قرآن سات حرفون پر
نازل ہوا ہے اور تم لوگون کو اختیار ہے کہ اُنمین سے جو آسان ہو اُس طرح اُسکو
پڑہو۔" (مطبوعہ کرزن پریس دہلی ص۲۴۷)

امام محمد بن جریر طبری نے تفسیر جامع البیان مین اِسی نوعیت کا دوسرا
واقعہ بھی درج کیا ہے اسحق بن عبد اللہ بن ابی طلحۃ عن ابیہ عن جدہ قال قرأ
رجل عند عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فغیر علیہ فقال لقد قرأت علی رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وسلم فلم یغیر علی قال فاختصما عند النبی صلے اللہ علیہ وسلم فقال
یا رسول اللہ الم تقرأنی اٰیۃ کذا وکذا قال بلی قال فوقع فی صدر عمر شیئ نعرف

البنی صلی اللہ علیہ وسلم ذالک فی وجھہ قال نضرب صدرہ وقال ابعد شیطانا تالہا ثلثا ثم قال یا عمران القرآن کلہ صواب مالم تجعل رحمۃ عذابا وعذابا رحمۃ"۔ ابو طلحہ کی روایت ہے کہ کسی شخص نے حضرت عمر کے سامنے قرآن مجید کی تلاوت کی حضرت عمر نے اسکو ٹوکا اُس نے کہا کہ میں نے رسالت مآبؐ کے سامنے اسکو پڑھا ہے اور حضرت نے نہیں ٹوکا آخر دونوں آدمی جناب رسالت مآبؐ کی خدمت مین حاضر ہوے اور مقدمہ پیش ہوا اُس نے رسولؐ کی خدمت مین عرض کیا کیا حضورؐ نے مجھکو یہ آیت اس اس طرح یاد نہین کرائی تھی حضرت نے فرمایا ہان کیون نہین، یہ سنکر حضرت عمر کے دل مین کچھ بات آئی جس کا احساس فرماکر رسالت مآبؐ نے عمر کے سینے پر ہاتھ مارا اور تین مرتبہ فرمایا شیطان کو اپنے سے دور کرو قرآن کل کا کل ٹھیک ہے جبتک آیۂ رحمت آیت عذاب اور آیت عذاب آیت رحمت بنانہ دیجائے اسی بنا پر حضرات شیخین نے اس اختلاف کو گوارا کیا اور اگرچہ خود قرآن مجید کو زید بن ثابت کے توسط سے جمع کرالیا تھا لیکن دوسرے صحابہ کو مجبور نہین کیا کہ وہ بھی اسی صورت پر قرآن مجید کو پڑھین اور تعلیم دین بلکہ حضرت عمر نے ابی بن کعب کو جنکے مصحف کی ترتیب بالکل مصحف زید سے جداگانہ اور جنکی قرأت بھی اُنکی قرأت سے مختلف تھی خود نماز تراویح کا امام مقرر کیا اور تمام لوگون کو مامور کیا کہ وہ اُنہی کی قرأت کے ساتھ پڑھین اور جب کسی قرأت کے متعلق اُنکو علم ہوگیا کہ یہ ابی بن کعب کی بتلائی ہوئی ہے تو پھر وہ سوائے تسلیم کرلینے کے اُسکے متعلق ایک حرف بھی

نہ کہتے تھے۔ چنانچہ ملا علی متقی نے کنز العمال میں نقل کیا ہے

عن بجالۃ قال مر عمر بن الخطاب بغلام وھو یقرأ فی المصحف النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم وھو اب لھم فقال یا غلام حکھا قال ھذا مصحف ابی فذھب الیہ فسألہ فقال لہ کان یلھینی القرآن ویلھیک الصفق بالاسواق

حضرت عمر نے ایک لڑکے کو مصحف میں پڑھتے سنا کہ النبی اولی بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم وھو اب لھم حضرت نے فرمایا کہ اس وھو اب لھم کے فقرہ) کو چھیل ڈالو اس نے کہا کہ یہ کسی اور کا نہیں ابی بن کعب کا مصحف ہے یہ سنکر آپ ابی کے پاس گئے اور ان سے دریافت کیا۔ ابی نے کہا کہ آپ کو کیا خبر! مجھے دن رات قرآن میں صرف ہوتا تھا اور آپ کو بازاروں میں پھرنے سے فرصت نہ تھی۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ ابی کے مصحف میں آیہ النبی اولی بالمومنین کے آخر میں وھو اب لھم کا ٹکڑا زیادہ تھا جو زید بن ثابت کے جمع کردہ قرآن میں موجود نہیں ہے لیکن حضرت عمر نے اسکو برداشت کر لیا۔

اور عبد اللہ بن مسعود کے متعلق اتنا اعتماد تھا کہ جب حضرت عمر کے پاس ایک شخص نے مقام عرفات میں آکر کہا کہ جئتک من الکوفۃ وترکت بھا رجلا یحکی المصحف عن ظھر قلبہ۔ میں کوفہ سے آیا ہوں اور وہاں ایک شخص کو چھوڑا ہے کہ وہ مصحف کو بالکل از بر پڑھتا ہے تو یہ سنکر آپ کو بڑا غصہ آیا اور کہا

ویحک و من ھو" جلدی بتاؤ وہ ہے کون ؟ اُسنے کہا عبداللہ بن مسعودؓ فوراً آپ کا غصہ فرو ہو گیا اور کہا واللہ ما اعلم احداً احق بذالک منہ خدا کی قسم میں کسی شخص کو نہیں دیکھتا کہ وہ اُن سے زیادہ اس امر کا حقدار ہو۔

(ملاحظہ ہو استیعاب ابن عبدالبر برحاشیۂ اصابہ طبع مصر ج ۲ ص۳۲۲)

اور اس روایت کو حافظ ابن حجر عسقلانی نے بھی (اصابہ ج ۲ ص۳۶۸) میں درج کیا ہے یہ صورت حال اسی طرح قائم رہی اور صحابہ پوری آزادی کے ساتھ قرآن مجید کی تلاوت اپنے اپنے طریقہ پر کرتے تھے یہاں تک کہ حضرت عثمان کا دور آیا اور اُسوقت یہ اختلاف مفاد اسلامی کے لئے مضر قرار دیا گیا اور اطراف سے فریادیں آنے لگیں کہ صحابہ کرام کے اختلاف کی وجہ سے قریب ہے کہ لوگ ایک دوسرے کی تکفیر کرنے لگیں اور خود قرآن مجید کے آیات کا انکار کردیں اور اسکی وجہ سے آتش فتنہ و فساد رونما ہو چنانچہ اس صورت حال اور اسکے نتائج کی مرقع کشی علامۂ رافعی نے حسب ذیل الفاظ میں کی ہے۔

کانت وجوہ القراءۃ التی یودون بھا القرآن مختلفۃ باختلاف الاحرف التی نزل علیھا کما سیمر بک فکان الذی یسمع ھذا الاختلاف من اھل تلک الامصار اذا جمعتھم المجامع او التقوا فی المواطن علی جھاد اعدائھم یعجب من ذالک ان تکون ھذہ الوجوہ کلھا علی

اختلاف ما بينها فى كلام واحد فاذا علم ان جميع القراءات مسندة الى رسول الله صلى الله عليه وسلم وانه اجازها لا يمتنع ان يحيك فى صدره بعض الشك وان ينطوى منها على شئ اذا هو قد كان نشأ بعد زمن الدعوة وبعد ان اجتمع العرب على كلمة واحدة فلا يلبث ان يجرى ذلك الاختلاف مجرى مثله من سائر الكلام فيرى بعضه خيرا من بعضه ويظن منه الصريح والمدخول والعالى والنازل والافصح والفصيح واشباه ذلك ويعد مايراه فى القران من القران وهذا امران هو استفاض فيهم ثم مردوا عليه خرجوا منه ولا ريب الى المناقضة والملاحاة والى ان يرد بعضهم على بعض هذا يقول قراءتى وما اخذت به و ذلك يقول بل قراءتى وما انا عليه وليس من وراء هذا اللجاج الا التكفير والتأثيم ولا جرم انها الفتنة لا نفتأ بعد ذلك من دم

قرات کے اصول جن پر وہ لوگ قرآن کو پڑھا کرتے تھے مختلف تھے اُن حروف کے اختلاف کی بناء پر کہ جن پر قرآن نازل ہوا تھا تو جب یہ مختلف صورتوں پر قرآن کو جاننے والے کسی مجلس میں جمع ہوتے یا میدان جنگ میں یکجا ہوتے تھے اور دیکھنے والا اُن کے اختلافات کو قرآن مجید کے آیات میں دیکھتا تھا تو اُسے تعجب ہوتا تھا کہ یہ سب الفاظ باوجود اپنے

اختلاف کے ایک ہی کلام مین کیونکر صحیح ہوسکتے ہین، اسکے ساتھ جب اُسے معلوم ہوتا تھا کہ یہ سب قرائتین رسالت مآبؐ کی طرف استناد رکھتی ہین اور حضرت نے اُنکے متعلق اجازت دی ہے تو یقیناً موقع تھا کہ اُس کے سینہ مین شبہہ و شک کسی حد تک خراش پیدا کرے اور کچھ نہ کچھ دل مین آئے اسلئے کہ اس شخص کی نشو و نما ایسے وقت پر ہوئی تھی کہ جب ابتدائے دعوت اسلام کو طویل زمانہ گذر چکا ہے اور تمام قبائل عرب ایک کلمہ پر جمع ہوچکے ہین اس کا قریبی نتیجہ یہ تھا کہ وہ اس اختلاف کو قرآن کے علاوہ دوسری کتابون کے اختلاف نسخ کی صورت سے قرار دیکر اُن مین محاکمہ پر تیار ہوجاتا کہ یہ اُس سے بہتر ہے اور یہ صحیح ہے وہ مدخول، یہ عالی ہے اور وہ پست، یہ افصح ہے اور وہ فصیح اور اس طرح اپنے ذاتی خیالات کو قرآن مین داخل کردیتا۔

یہ ایسا امر تھا کہ اگر اس کو زیادتی ہوتی اور لوگون کو اس کا چسکا لگتا تو یقیناً نتیجہ مین باہمی مناقشہ و منازعہ اور نقض و رد تک نوبت پہونچتی، یہ کہتا کہ میری قرأت اور میرا انتخاب بہتر ہے، وہ کہتا کہ نہین بلکہ میری قرأت اور میرا مسلک بہتر ہے اور اس اختلاف کے آخر مین سوائے اسکے کہ ایک دوسرے پر کفر کا حکم لگائے اور گنہگار بتلائے کوئی اثر مترتب نہوتا اور یقیناً یہ ایک ایسا فتنہ تھا جس کی انتہا آخر مین خونریزی تک ہونا ناگزیر تھی۔"

حضرت عثمان کو اس امر کی طرف خاص طور سے توجہ ہوئی خصوصاً اس وقت

کہ جب حذیفہ بن الیمان ارمنیہ و آذر بائیجان کی فتح کے سلسلہ مین جنگ پر گئے اور وہان سے واپس آکر اُنھون نے بڑی اہمیت کے ساتھ لوگون کے اختلافات کا تذکرہ کیا اور کہا کہ جلد خبر لیجئے نہین تو امت اسلامیہ یہود و نصاریٰ کی طرح کتاب خدا مین مختلف ہو جائیگی، حضرت عثمان کو اسکے سوا کوئی تدبیر نظر نہ آئی کہ حضرت رسولؐ کی اجازت کو منسوخ کرتے ہوئے تمام لوگون کو ایک ہی قرادت کا پابند بنا دین اور چھ قرائتون کو جنکے ساتھ پڑھنے کی اب تک اجازت تھی جرم قرار دیدین چنانچہ اس غرض کے لئے اُنھون نے اُس قرآن کو جو حضرت ابوبکر کے زمانہ مین زید بن ثابت کے ہاتھون جمع ہو چکا تھا حفصہ بنت عمر کے پاس سے منگوا بھیجا اور طے پایا کہ اُسی کے موافق نسخے لکھوا کر تمام ممالک مین منتشر کئے جائین اور اُسکے سوا جتنے نسخے قرآن کے مجتمع یا غیر مجتمع صورت مین مختلف صحابہ کے پاس پائے جاتے ہین اُنکو نذر آتش کر دیا جائے اور اس امر کی احتیاط کے لئے کہ ان نقل شدہ نسخ کو کوئی اختلاف پہلے نسخہ کے ساتھ نہ ہو اور یہ کہ خود اُس نسخہ پر نظر ثانی بھی ہو جائے پھر زید بن ثابت کو منتخب کیا گیا اور اُنکے ساتھ عبداللہ بن زبیر و سعید بن العاص و عبدالرحمان بن حارث بن ہشام مخزومی کو معاون کے طور پر اُن کا شریک بنا یا گیا۔

اس واقعہ کا تذکرہ صحیح بخاری مین حسب ذیل الفاظ مین موجود ہے۔

حدثنا موسیٰ قال حدثنا ابراهیم قال حدثنا ابن شهاب ان انس
بن مالك حدثه ان حذیفة بن الیمان قدم علی عثمان وکان یغازی
اهل الشام فی فتح ارمینیة واذربیجان مع اهل العراق فافزع حذیفة
اختلافهم فی القراءة فقال حذیفة لعثمان یا امیر المومنین ادرك
هذه الامة قبل ان یختلفوا فی الکتاب اختلاف الیهود والنصاریٰ
فارسل عثمان الی حفصة ان ارسلی الینا بالصحف ننسخها فی المصاحف
ثم نردها الیك فارسلت بها حفصة الی عثمان فامر زید بن ثابت
وعبد الله بن الزبیر وسعید بن العاص وعبد الرحمٰن بن الحارث بن هشام
فنسخوها فی المصاحف وقال عثمان للرهط القرشیین الثلثة اذا اختلفتم
انتم وزید بن ثابت فی شیٔ من القران فاکتبوه بلسان قریش فانما
نزل بلسانهم ففعلوا حتیٰ اذا نسخوا الصحف فی المصاحف رد عثمان
الصحف الی حفصة وارسل الی کل افق بمصحف مما نسخوا وامر بما
سواه من القران فی کل صحیفة او مصحف ان یحرق۔

انس بن مالک کا بیان ہے کہ حذیفہ بن یمان حضرت عثمان کے پاس
آئے اور اس کے قبل وہ آرمینیہ و آذربائیجان کی فتح کے سلسلہ مین اہل شام و
عراق کے ساتھ جنگ مین شریک تھے اور اس دوران مین جو اختلافات
انھون نے قرات قرآن مین دیکھے اُن سے پریشان ہو گئے تھے اسلئے انھون نے

حضرت عثمان سے کہا کہ اے فرمان روائے مسلمین اس امت کی خبر لیجیے قبل اسکے کہ اُنمین کتاب خدا کے بارے مین ویسا اختلاف پڑے جیسا کہ یہود و نصاری کے اندر رہے یہ سنکر حضرت عثمان نے حفصہ کے پاس آدمی بھیجا کہ وہ قرآن کے اجزاء جو تمھارے پاس ہین بھیجدو ہم اسکو مجموعی حیثیت سے مصحف کی صورت مین نقل کراکے واپس کردین گے، حفصہ نے اُن اجزاء کو عثمان کے پاس بھیجدیا۔ اُنھون نے زید بن ثابت اور عبد اللہ بن زبیر اور سعید بن عاص اور عبد الرحمن بن حارث بن ہشام کو حکم دیا اور اُنھون نے اُسکو مصاحف کی صورت مین نقل کیا اور عثمان نے اُن تینون قریشی آدمیون کو حکم دیا تھا کہ جب تم مین اور زید بن ثابت مین کسی لفظ کے متعلق اختلاف ہو تو اُس کو قریش کے محاورہ پر لکھنا کیونکہ قرآن کا اصلی نزول قریش کی زبان مین ہے چنانچہ ایسا ہی کیا گیا یہان تک کہ جب اُن اجزا کی نقل مصحف کی صورت مین ہوگئی تو وہ اجزاء حفصہ کے پاس واپس کئے گئے اور اطراف و جوانب مین سے ہر ملک مین ایک نسخہ اُس کا بھیجدیا گیا اور جتنے قرآن کے نسخے اس کے علاوہ متفرق اجزاء یا مجتمع کتاب کی صورت مین تھے اُنکے متعلق حکم ہوا کہ وہ آگ مین جلادیے جائین“

(بخاری کرزن پریس دہلی صفحہ ۴۶)

حدیث مذکور سے صاف ظاہر ہے کہ جمع قرآن کے سلسلہ مین

حضرت عثمان نے خود کاوش و کاہش کی ضرورت نہین سمجھی تھی بلکہ انھون نے اُسی جمع و تالیف پر اعتماد کیا جو حضرت ابو بکر کے حکم سے عمل مین آچکی تھی ٹھیک اس اطمینان حاصل کرنے کے لیے کہ موجودہ نسخے اُس کے مطابق رہین تصحیح و تنقیح کا کام اُنھی زید بن ثابت کے سپرد کیا گیا جو پہلی تالیف کے ذمہ دار تھے اور چونکہ منظور یہ تھا کہ قرآن کی جو مختلف قرائتین ہو گئی ہین اُنکا قلع قمع ہو کر ایک قراءت پر اتفاق حاصل ہو اس لیے اُن الفاظ کی تعیین کے لئے جنکا طریقہ اداء اور رسم الخط مختلف ہے اور اس اعتبار سے اُنمین اختلاف کی گنجائش ہے تین قریشی آدمیون کو اُنکا شریک کار قرار دیا گیا تھا لیکن یہ دیکھکر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ باوجود اُس اہتمام و انتظام کے جو سابقہ مرتبہ جمع قرآن مین ہو چکا تھا اب کی جو نقل کے سلسلہ مین زید بن ثابت نے مراجعہ کیا تو خود اُنکو اُس قرآن مین بعض آیات کی فرو گذاشت نظر آئی جنھین پھر تحقیق کے بعد اضافہ کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ بخاری مین حدیث مذکور بالا کے بعد ہی لکھا ہے۔

قال ابن شہاب واخبرنی خارجۃ بن زید بن ثابت سمع زید بن ثابت قال فقدت آیۃ من الاحزاب حین نسخنا المصحف قد کنت اسمع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأبہا فالتمسناہا فوجدناہا مع خزیمۃ بن ثابت الانصاری من المومنین رجال صدقوا ما عاہدوا اللہ علیہ فالحقناہا فی سورتہا فی المصحف۔

ابن شہاب نے زید بن ثابت کے صاحبزادے سے خود زید بن ثابت کا بیان نقل کیا ہے کہ وہ کہتے تھے جب میں مصحف کے لکھنے میں مصروف تھا تو ایک آیت سورۂ احزاب میں کی جس کو میں رسالت مآب کو پڑھتے ہوئے سُنا کرتا تھا نہ ملی ہم نے اُسکو ڈھونڈھنا شروع کیا تو وہ خزیمہ بن ثابت انصاری کے پاس دستیاب ہوئی من المومنین رجال صدقوا ما عاھدوا اللّٰہ علیہ چنانچہ ہم نے اُسکو اُسکے سورہ کے آخر میں مصحف کے اندر درج کردیا"۔

درحقیقت زید بن ثابت کو آیت پوری یاد نہ تھی ورنہ اُنھیں اُسکے ڈھونڈھنے کی ضرورت نہ تھی بلکہ کچھ کچھ اُسکی لفظیں یاد آتی تھیں کہ حضرت ایک اس قسم کی آیت سورۂ احزاب میں پڑھا کرتے تھے اور وہ اب دستیاب نہیں ہوئی اسی بنا پر اُنھوں نے اُسکو تلاش کرنا شروع کیا جس میں وہ خزیمہ بن ثابت کے پاس کامیاب ہوئے۔

اس سے یہ خیال باور ہو ثابت ہوجاتا ہی کہ زید بن ثابت رسالتمآب کی زندگی میں حفظ قرآن کرچکے تھے اور اُس کی دلیل یہی احادیث ہیں جنمیں انکا پتہ دے دے کر آیات قرآن کی جستجو کرنا مذکور ہے لیکن ہمارے بیان سے ثابت ہوگیا کہ اس خیال میں کوئی وزن نہیں ہے۔

کون کہہ سکتا ہی کہ پہلی مرتبہ جمع قرآن بالکل بے توجہی وکم التفاتی کی ساتھ ہوا تھا اور مقابلہ وتکرار نظر کی نوبت نہ آئی تھی یقیناً کتنی مرتبہ مقابلہ اور

کس کس طرح تکرار نظر کی گئی ہوگی جب یہ اعتماد حاصل ہوا کہ قرآن مجید جمع ہوگیا لیکن پندرہ برس کے بعد جب حضرت عثمان کے دور مین نظر کی نوبت آئی تو ایک آیت کم معلوم ہوئی پھر اس مرتبہ کے جمع و تالیف مین کیا ضمانت ہوسکتی ہے کہ کسی قسم کی کوئی آیت نہین رہ گئی۔

پھر الفاظ قرآن مین بھی معلوم ہوتا ہے کہ کچھ خامیان رہ گئین تھین جنکی اصلاح اس مرتبہ کی گئی جیساکہ ابن فارس نے ہانی سے نقل کیا ہے کنت عند عثمان رضی اللہ عنہ وھم یعرضون المصاحف فارسلنی بکتف شاۃ الی ابی بن کعب فیھا "لم یتسن" و "فامھل الکافرین" و "لا تبدیل للخلق" قال فدعا بالدواۃ فمحا احدی اللامین وکتب "لخلق اللہ" ومحا فامھل وکتب "فمھل" وکتب لم یتسنہ الحق فیھا ھاء او القراءۃ علی ھذا الرسم مین حضرت عثمان کے پاس تھا جس وقت مصاحف کا مقابلہ ہو رہا تھا، انھون نے مجھ کو ایک بکری کا شانہ دیکر ابی بن کعب کے پاس بھیجا جس پر لکھا تھا لم یتسن اور فامھل الکافرین اور لا تبدیل للخلق ابی بن کعب نے دوات منگوائی اور "للخلق" کی لفظ مین ایک لام چھیل کر لخلق اللہ بنادیا اور فامھل کو چھیلکر فمھل بنادیا اور لم یتسن مین ہا ملاکر لم یتسنہ کردیا اور اب اسی صورت پر پڑھا جاتا ہے" (اعجاز القرآن رافعی صہ ۴۶)

اب اسکو جانے دو کہ زید بن ثابت صاحب عرضۂ اخیرہ سے آخر ان

الفاظ مین غلطی کیون ہوئی تھی اور پھر کیا یہ شبہہ پیدا نہین ہوتا اگر کسی اور لفظ مین بھی ایسی غلطی ہو۔ لیکن اتنا سوال غالباً حق بجانب سمجھا جائیگا کہ مذکورہ صورت حال مین لا تبدیل لخلق اللہ اور اسکے ساتھ والی دونون لفظین کیا صرف ابی بن کعب کی تجویز کا نتیجہ نہین ہین اور پھر کیا انکا تواتر باقی رہا ہے ؟

حافظ طبری کی روایت ہے انس بن مالک سے قال کنت فی من یملی علیھم قال فربما اختلفوا فی الآیۃ فیذکرون الرجل قد تلقاھا من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولعلہ ان یکون غائبا او فی بعض البوادی فیکتبون ما قبلھا وما بعدھا ویدعون موضعھا حتی یجیٔ او یرسل الیہ۔

انس کا بیان ہے کہ مین بھی اُن لوگون مین سے تھا جو قرآن مجید کے لکھوانے مین شریک تھے اکثر ایک آیت مین اختلاف ہوتا تھا اور ریتہ دیا جاتا تھا کسی ایسے شخص کا جس نے اپنے کانون سے اسکو رسالت مآب سے سُنا ہے اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ موجود نہین ہے یا دیہات گیا ہوا ہے تو اس صورت مین اُس آیت کے قبل اور بعد کی آیتون کو لکھ لیتے اور اُس آیت کی جگہ چھوڑ دیتے یہان تک کہ وہ واپس آئے یا اُس کے پاس کسی کو بھیجکر دریافت کرایا جائے۔

(جامع البیان صا۲ ج ۱)

اُس سے بیشک عرق ریزی و جانفشانی کا پتہ چلتا ہے لیکن نتیجہ مین اُس آیت کا درج کرنا ایک شخص کی واقفیت کا نتیجہ ہوا یا نہین ؟

یہ سوال گذشتہ جمع قرآن اور موجودہ تصحیح و تنقیح دونون موقعون کے متعلق بہت اہم ہے کہ آخر زید بن ثابت کو بڑے بڑے صحابہ کی موجودگی مین جمع قرآن کے لئے منتخب کرنے کی کیا وجہ تھی؟ اور اُن مین کونسا امتیاز تھا کہ ابی بن کعبؓ عبداللہ بن مسعودؓ ایسی ہستیون کے مقابلہ مین اُنکے جمع کردہ قرآن کا اعتبار کیا جائے؟

اِسکے متعلق علمائے اہلسنت نے بڑی کاوش کے ساتھ یہ وجہ نکالی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ جناب رسالت مآبؐ کے ساتھ ہر سال قرآن کا مقابلہ کیا کرتے تھے اور اُس مین ہر مرتبہ کچھ آیات منسوخ اور کچھ متغیر اور کچھ اپنی جگہ سے دوسری جگہ ادل بدل کر دیئے جاتے تھے اور آخری مرتبہ اُس سال کہ جب جناب رسالت مآبؐ کا انتقال ہونیوالا تھا۔ اُنھون نے دو مرتبہ آکر قرآن کا مقابلہ کیا اور زید بن ثابت نے اسی سال قرآن کی تعلیم حاصل کی تھی لہذا وہ اُس مقابلہ کے نتیجہ پر مطلع تھے جو اس سال ہوا تھا اور اس لئے اُنکی جمع و ترتیب بالکل اُس جمع و ترتیب کے موافق تھی جس پر رسالت مآبؐ کا اپنی زندگی کے آخری دور مین عملدرآمد رہا اور جس طرح وہ اپنے آخر وقت تک قرآن کی تلاوت فرماتے تھے بخلاف ابی بن کعب اور ابن مسعودؓ وغیرہ دیگر صحابہ کے کیونکہ ابن مسعودؓ نے مکہ مین قرآن حفظ کیا تھا اور وہین رسالت مآبؐ کو پڑھ کر سنایا تھا اور ابی بن کعب نے ہجرت کے بعد اور اُسی زمانہ مین رسالت مآبؐ کو سنایا تھا (ملاحظہ ہو اعجاز القرآن صفحہ ۳۶-۳۷)

لیکن جہان تک غور کیا جاتا ہے یہ توجیہ صرف خوش عقیدگی کا نتیجہ اور دل کو

تسکین دے لینے کا ذریعہ ہے اور مستند احادیث و واقعات کی بنا پر اُس کا کوئی وزن معلوم نہیں ہوتا اسلیئے کہ اُس موقع پر جب حضرت ابوبکرؓ نے جمع قرآن کا کام زید بن ثابت کے سپرد کیا ہے اور اُن کو بلاکر اس امر پر مامور فرمایا ہے تو جو وجوہ ترجیح اُنکے لیے بتلائے گئے وہ اِس سے بالکل مختلف ہین۔

اُسوقت جو کچھ بھی ارشاد ہوا تھا وہ یہ کہ انک شاب عاقل لا نتھمک و قد کنت تکتب الوحی لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم "تم نوعمر عقلمند آدمی ہو تم پر ہم کو اطمینان ہے اور تم رسالت مآبؐ کے پاس کاتب وحی بھی رہ چکے ہو"

بھلا اگر زید بن ثابت کے لئے ایک اتنی بڑی خصوصیت حاصل ہوتی کہ وہ عرضہ اخیرہ (آخری مقابلہ قرآن) مین موجود تھے تو اس موقع پر اُس کا تذکرہ نہ کیا جاتا اور یہ نہ کہا جاتا کہ تم عرضہ اخیرہ مین موجود تھے ؟

یہی امتیاز وہ ہوتا جو مقام ترجیح مین اُنکے اختصاص کا ضامن ہوتا ۔ اُسکو چھوڑ کر یہ کہنے کا کونسا موقع تھا کہ تم نوعمر ہو؟ کیا نوعمر ہونا اتنی بڑی ذمہ داری کے استحقاق کی ضمانت ہے ؟

یہ ایک باریک مسئلہ ہے کہ منصب خلافت کے لئے تو سن رسیدہ ہونا وجہ ترجیح سمجھا جائے اور جمع قرآن کے موقع پر جوان سال ہونا اختصاص کی دلیل رہگئی عقل اس سے غالباً دوسرے صحابہ بھی محروم نہ تھے "ہم تم کو متہم (ناقابل اعتماد) نہین سمجھتے" یعنی کیا دوسرے صحابہ جتنے ہین وہ متہم اور ناقابل اعتماد ہین ؟ پھر آخر

احکام شرعیہ تو عام مسلمانون کو انہی صحابہ کے ذریعہ سے ہوئے ہین۔ اُن تمام احکام کا حشر کیا ہوگا؟ کاتب وحی ہونے کی فضیلت بھی مخصوص نہین بلکہ بہت سے صحابہ اُس مین شرکت کے دعویدار ہو جایٔن گے۔

پھر حضرت ابوبکر کا یہ فرمانا فتتبع القران فاجمعہ "قرآن کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جمع کرو" یہ صاف اس امر کی دلیل ہے کہ زید بن ثابت کو قرآن مجید حفظ نہ تھا اور نہ وہ اُس ترتیب پر مطلع تھے جس پر آخری مرتبہ عرض قرآن ہوا تھا ورنہ اُن کو تتبع کے بعد جمع کا حکم نہوتا بلکہ یہ کہا جاتا کہ اُسی صورت پر جو تمھارے سینہ مین موجود ہے قرآن جمع کردو۔

اور پھر زید بن ثابت نے جو صورت جمع کی تبلائی ہی فتتبعت القران اجمعہ من العسب واللخاف وصدور الرجال "مین نے قرآن کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر درخت کی چھالون اور پتھرون کے ٹکڑون اور مختلف اشخاص کے محفوظات سے جمع کیا" یہ بھی صریحی دلیل ہے کہ وہ حافظ قرآن نہ تھے۔ باوجود زید بن ثابت کے اس اعتراف کے جو صحیح بخاری ایسی کتاب مین موجود ہی کیا سادہ لوحی نہین ہی کہ اُنکو حافظ قرآن اور صاحب عرضۂ اخیرہ ہونے کی وجہ سے جمع قرآن کا حقدار سمجھا جائے۔

یہ کہنا کہ ابن مسعود نے مکہ معظمہ مین قرآن حفظ کیا تھا اور رسالت مآب کو پڑھکر سنایا تھا اور ابی بن کعب نے ہجرت کے بعد مدینہ مین جیسا کہ علامہ رافعی نے تحریر

کیا ہے عجیب چیز ہے۔

اے حضرت مکہ مین قرآن پورا نازل ہی کب ہوا تھا جو ابن مسعود وہان حفظ کرتے اور رسالت مآبؐ کو سناتے اور اسی طرح مدینہ کی ابتدائی دور مین پورا قرآن کہان موجود تھا۔ ہان یہ ہو سکتا ہے کہ اُنھون نے مکہ مین جتنا قرآن نازل ہوا تھا وہ مکہ مین یاد کیا اور پڑھ کر سنایا تھا اور پھر رسالت مآبؐ کے آخر زمانہ حیات تک جتنا جتنا نازل ہوتا گیا اُتنا اُتنا یاد کر کے سناتے گئے اس طرح خدمت رسولؐ مین اُنکے انتہائی تعلیم پانے کا زمانہ عرضۂ اخیرہ تک پہونچتا ہے اور اس موقع پر جو کچھہ تغیر و تبدل ہوا ہوگا وہ حضرت کی جانب سے عبداللہ بن مسعود و ابی بن کعب کو بھی خاص طور پر بتلایا گیا ہوگا خصوصاً جبکہ حضرت کی توجہ ان دونون صحابیون کو تعلیم قرآن دینے کے متعلق خاص طور سے مبذول تھی یہان تک کہ ابی بن کعب کے متعلق حضرت نے یہان تک فرمایا کہ امرت ان اقرأ علیك القرآن "مجھہ کو خدا کا حکم ہوا ہے کہ مین تمھین قرآن پڑھ کر سناؤن" اور بعض روایات مین ہے اعرض علیك القرآن اور اس بنا پر حضرت نے تمام صحابۂ کرام مین اُنکو مخصوص امتیاز دیکر فرمایا۔ اقرأ امتی ابی "میری امت مین سب سے بہتر حافظ قرآن ابی ہین" اور خود حضرت عمرؓ کی یہ روایت متعدد طرق سے نقل ہوئی ہے کہ اقضانا علی واقرؤنا ابی "ہم مین سب سے بہتر قاضی علی ہین اور سب سے بہتر حافظ قرآن ابی ہین" (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو استیعاب ابن عبدالبر بر حاشیہ اصابہ مطبوعہ

مصرج ۱ صـ۲۲۳)

اور عبداللہ بن مسعود کے متعلق حضرت کا ارشاد تھا من سرہ ان یقرأ القرآن غضاً کما انزل فلیقرأ علی ابن ام عبد " جو شخص چاہتا ہو کہ قرآن مجید کی بالکل تر و تازہ صورت پر جس طرح نازل ہوا ہے تعلیم حاصل کرے تو وہ اُسکو ابن مسعود سے پڑھے - اِس روایت کو حافظ نسائی نے حضرت عمر سے تخریج کی ہے اور حافظ ابن حجر نے اصابہ ج ۲ صـ۲۷۴ اور ابن عبدالبر نے استیعاب مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدر آباد ج ۱ صـ۳۷۱ اور ابن اثیر جزری نے اسد الغابہ ج ۴ صـ۲۹۶ مین اُسکو درج کیا ہے اور پھر اُن صحابہ مین کہ جن سے قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کا رسالت مآب نے حکم دیا تھا عبداللہ بن مسعود کا پہلا نمبر ہے چنانچہ عبداللہ بن عمر راوی ہین کہ سمعت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یقول خذوا القرآن من اربعۃ من ابن ام عبد فبدأ بہ ومعاذ بن جبل وابی بن کعب وسالم مولی ابی حذیفۃ " مین نے رسالت مآب کو فرماتے سُنا کہ قرآن کی تعلیم چار آدمیون سے حاصل کرو اور انہین سب سے پہلے ابن مسعود کا نام لیا

یہ حقیقت ناقابل انکار ہے کہ ان صحابہ مین کہین زید بن ثابت کا نام نہین ورنہ حضرت رسول اکرم نے حافظ قرآن ہونے کی حیثیت سے کبھی اُنکی تعریف کی ہیتک اُنکی مدح مین جو فقرہ ائمہ حدیث نے نقل کیا ہو وہ یہ ہو کہ افرضکم زید بن ثابت " تم مین علم میراث کے جاننے والے سب سے زیادہ زید بن ثابت ہین " لیکن اسکو

حفظ قرآن سے کوئی تعلق نہین ہے۔

اور پھر ترجمان القرآن عبد اللہ بن عباس نے تو مذکورہ بالا اجمال کا تار پود بکھر کر حقیقت کو بالکل واضح کر دیا ہی انکا بیان ہی کہ عرضۂ اخیرہ مین حاضر ہونے والے عبد اللہ بن مسعود تھے نہ زید بن ثابت چنانچہ ہم اس روایت کو استیعاب ابن عبد البر سے نقل کرتے ہین۔

روی وکیع وجماعة معہ عن الاعمش عن ابی ظبیان قال قال لی عبد اللہ بن عباس ای القراءتین تقرأ قلت القراءة الاولی قراءة ابن ام عبد فقال لی اجل هی الآخرة ان رسول اللہ ؐ کان یعرض القرآن علی جبرئیل فی کل عام مرة فلما کان العام الذی قبض فیہ رسول اللہ ؐ عرضہ علیہ مرتین فحضر ذلک عبد اللہ فعلم ما نسخ من ذلک وبدل (مطبوعہ حیدرآباد ج ۱ ص ۳۷۲)

"وکیع اور ایک جماعت نے اعمش کی زبانی ابو ظبیان سے نقل کیا ہی کہ مجھ سے عبد اللہ بن عباس نے کہا تم کس قرات کیساتھ قرآن پڑھتے ہو، مین نے کہا سب سے مقدم یعنے ابن مسعود کی قرات اُنھون نے کہا ہان اور وہی سب سے آخری بھی ہے جناب رسالت مآب ؐ جبرئیل کے ساتھ ہر سال ایکمرتبہ قرآن کا مقابلہ کرتے تھے لیکن جس سال حضرت کا انتقال ہوا تو دو مرتبہ قرآن کو پیش کیا گیا۔ اس موقع پر عبد اللہ موجود تھے اور جو کچھ تغیر و تبدل ہوا سب سے مطلع ہو

اسی کے مطابق حافظ جلال الدین سیوطی نے درمنثور میں حسب ذیل روایات نقل کئے ہیں۔

(۱) اخرج ابن الانباری عن مجاھد قال قال لنا ابن عباس ای القراءتین تعدّون اوّل قلنا قراءۃ عبد اللہ قال فان رسول اللہ کان یعرض القران علی جبرئیل مرۃ وانہ عرضہ علیہ فی اخر سنتہ مرتین فقراءۃ عبد اللہ اٰخر۔

"ابن انباری نے مجاہد سے نقل کیا ہے کہ ہم سے ابن عباس نے کہا تم لوگ دونون قراءتون مین سے کس کو اول شمار کرتے ہو"

ہم نے کہا ابن مسعود کی قراءت کو فرمایا رسالت مآبؐ قرآن کا جبرئیل کے ساتھ ایک مرتبہ مقابلہ کرتے تھے اور اپنی زندگی کے آخری سال آپ نے دو مرتبہ اُنکے ساتھ مقابلہ کیا تو عبد اللہ کی قراءت سب سے آخری تھی۔"

(۲) اخرج ابن الانباری عن ابن مسعود قال کان جبرئیل یعارض النبیؐ بالقران فی کل سنۃ مرۃ وانہ عارضہ بالقران فی اخر سنتہ مرتین فاخذتہ من النبیؐ ذالک العام۔

"ابن مسعود کا خود بیان ہے کہ جبرئیل ہر سال قرآن کا ایک مرتبہ رسالت مآبؐ سے مقابلہ کراتے تھے اور اُنھون نے آخری سال دو مرتبہ مقابلہ کیا اور مین نے اس سال قرآن کو جناب رسالت مآبؐ سے اخذ کیا ہے۔"

(۳) عن ابن مسعود قال لو اعلم احدا احدث بالعرضة الاخيرة منی لرحلت الیه۔

"ابن مسعود کہتے تھے کہ اگر میں جانتا کوئی صحابی عرضہ اخیرہ میں میرے بعد حاضر ہوا ہے تو میں ضرور اُس کے پاس قرآن کی تعلیم حاصل کرنے کو جاتا"۔

حافظ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر جامع البیان میں بھی ابن مسعود کی ایک تقریر نقل کی ہے جسمیں وہ کہتے ہیں۔ لو اعلم احدا اعلم بما انزل اللہ علی رسولہ منی لطلبتہ حتی ازداد علمہ الی علمی ولقد قرأت من لسان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبعین سورۃ وقد کنت علمت انہ یعرض علیہ القرآن فی کل رمضان حتی کان عام قبض فعرض علیہ مرتین وکان اذا فرغ اقرأ علیہ فیخبرنی انی محسن اگر مجھے معلوم ہوتا کہ کوئی شخص کتاب خدا پر مجھ سے زیادہ مطلع ہے تو میں جستجو کر کے اسکے پاس پہونچتا اور اُس کے علم سے اپنے معلومات میں اضافہ کرتا۔ میں نے خود رسالت مآب کی زبان سے ستر سورتوں کی تعلیم حاصل کی ہے اور مجھے یہ معلوم تھا کہ قرآن کا ہر سال ماہ رمضان میں حضرت کے ساتھ مقابلہ کرایا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ حضرت کی وفات والے سال میں دو مرتبہ مقابلہ کیا گیا اور ہر مرتبہ جب حضرت فارغ ہوتے تھے تو میں حضرت کو قرآن پڑھ کر سناتا تھا اور حضرت فرماتے تھے کہ ہاں ٹھیک ہے۔

(جامع البیان طبع مصر ج ا ص ۱۸)

اب ان روایات کی موجودگی مین اس خیال کا کیا وزن باقی رہ سکتا ہے
کہ عرضۂ اخیرہ مین شریک ہونیوالے زید بن ثابت تھے اور پھر جبکہ وہ کسی روایت
کی طرف مستند نہین ہے بلکہ لوگون کا ذاتی خیال ہے جس کو ابن سیرین نے عرضۂ
اخیرہ کی کیفیت کے بعد اس طرح بیان کیا ہے کہ ۔

فیرون ان تکون قراء تنا ھذہ علی العرضۃ الاخیرۃ

لوگون کا خیال یہ ہے کہ ہماری موجودہ قرات اسی عرضۂ
اخیرہ کے مطابق ہے (در منثور ج ا ص ۱۰۰)

کوئی تبلائے کہ مذکورہ صورت حال مین آخر زید بن ثابت کے
جمع کردہ قرآن پر تمام دوسرے صحابہ کی مخالفت کے باوجود اعتماد کی کیا وجہ
ہے ؟ اور پھر اعتماد بھی ایسا کہ جتنے قرآن دوسرے صحابہ کرام کے تھے وہ صفحۂ
دنیا سے معدوم کردیئے جائین اور انکو آگ کے اٹھتے ہوے شعلون کی نذر ہونا پڑے

خیر ابھی تک واقعات کا سلسلہ یہان تک پہونچا کہ حضرت عثمان نے
اسی قرآن کے اجزاء کو جو حضرت ابو بکر کے زمانہ مین جمع کئے گئے تھے حفصہ
کے پاس سے منگا کر نقل کرالیا تھا اور مقابلہ کے بعد حفصہ کو واپس کر دیئے گئے
اور اس طرح وہ نسخۂ اصل اور یہ تمام اسکے نقول تھے جو مختلف بلاد کی جانب
روانہ کئے گئے ۔

لیکن اسکے بعد واقعہ کی نیرنگی زیادہ اور دیکھنے والے کی حیرانی مین

اضافہ ہو جاتا ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ حفصہ بنت عمر کے انتقال کے بعد حضرت عثمان نے وہ اجزائے قرآن جو اُنکے پاس موجود تھے عبداللہ بن عمر سے بڑے اصرار کے ساتھ منگواکر اُنھیں پانی سے دھلواڈالا۔ اس واقعہ کا تذکرہ کتاب "التعریف بالنبی والقرآن الشریف" مطبوعہ مصر صـ ۸۲ مین حسب ذیل الفاظ مین موجود ہے۔

نکتبوا المصحف واستعرضوہ عرضۃ بعد اخری فلم الرجیدو اشیئا ارسل عثمان الی ام المومنین حفصۃ بیسألہا ان ترسل الیہ الصحف لعرض المصحف علیہا وحلف لہا لیردنہا الیہا بعد مقابلۃ المصحف بہا فاعطتہ ایاھا فعرض علیہا المصحف فلم یختلفا فی شیئ فردھا الیہا وطابت نفسہ بما فعل وامر الناس ان یکتبوا مصاحف فلما ماتت حفصۃ ارسل عثمان الی عبداللہ بن عمر یطلب الصحف منہ وشدد فی طلبہا فاعطاہ عبداللہ ایاھا فغسلہا غسلا۔

"اُن صحابہ نے مصحف کو لکھا اور چند مرتبہ اُس پر نظر کی گئی جب کوئی غلطی نہ ملی تو عثمان نے ام المومنین حفصہ کے پاس کہلوا بھیجا کہ وہ اجزائے قرآن بھیجدیجیے تاکہ مصحف کا مقابلہ اُنکے ساتھ ہو جائے اور قسم کھائی کہ مین مقابلہ کے بعد واپس کردونگا چنانچہ حفصہ نے اُن کو بھیجدیا اور مصحف کا اُن سے مقابلہ کیا گیا تو ذرا سا بھی اختلاف دونون مین نہ نکلا۔ اُسوقت حضرت عثمان کو اطمینان حاصل ہوا اور لوگون کو حکم دیا کہ وہ اس مصحف کے نقول تحریر کرین۔ جب حفصہ کا انتقال

ہوا تو حضرت عثمان نے عبداللہ بن عمر کے پاس آدمی بھیجا کہ وہ اُن اجزاء کو بھیج دین اور بڑی سختی کے ساتھ اُنسے مطالبہ کیا اُسوقت اُنھون نے (مجبور ہو کر) وہ اجزا بھیج دئے اور حضرت عثمان نے پانی سے اُنکو بالکل دھلوا ڈالا"

نیز اس واقعہ کا تذکرہ امام حافظ محمد بن جریر طبری کی تفسیر جامع البیان میں بھی موجود ہے (ج ا صنا۲)

دنیائے علم و تمدن کی سیر کرو شرق و غرب کے علمی ادارون پر نظر کرو اور علم دوست و علم پرور اقوام کی جد و جہد کا جائزہ لو، تم کو اندازہ ہوگا کہ کسی کتاب کے اصلی نسخہ کی کتنی قدر و قیمت ہے اور اُس کا وجود اُس کے شایع شدہ نقول کے اعتبار مین کتنی بڑی اہمیت رکھتا ہے؟

ہزارون لاکھون روپیہ صرف کر کے مصنفین کے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریرین یا اُس زمانہ کے نقل شدہ نسخے یا قدیم سے قدیم کتبے حاصل کرنا اور انکو انتہائی اہتمام و انتظام کے ساتھ محفوظ رکھنا اسی غرض کے لئے ہے۔

کتاب کے قدیمی نسخہ کا جو کہین دستیاب ہو گیا ہے فوٹو چھاپ کر شایع کرنا جواب مطابع یورپ و جرمن اور ادنیٰ تقلید مین مصر و بیروت کا طرۂ امتیاز بنا ہوا ہے اِسی لئے ہے کہ اُس مین کسی قسم کے تصرف و تغیر کے احتمال کا سد باب ہو جائے۔

کیا اسکے برخلاف کوشش کے ساتھ نسخۂ اصل کو حاصل کر کے تلف کر دینا اور

اُس کو دنیا کی نظروں سے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اوجھل بنا دینا کسی صحیح فلسفہ پر مبنی سمجھا جا سکتا ہے ؟ کیا اس وجہ سے قرآن مجید کے متعلق طرح طرح کے شبہے پیدا کئے جانے کا امکان نہ ہو گیا اور اُسکے سند و اعتبار کو صدمہ نہ پہونچا ؟ !

اور پھر اُس پر طرہ یہ کہ محدثین اُمت نے جو حفاظ و ائمہ و اصحاب سنن ایسے القاب سے سرفراز ہیں اپنے جوامع حدیث و سیر میں ایسے روایات درج کر دیے ہیں جنمیں حضرت عثمان اور اُنکے اشاعت دادہ موجود قرآن پر حسب ذیل الزامات عائد کیے گئے ہیں (۱) یہ کہ اس قرآن میں کتابت کی غلطیاں موجود ہیں اور وہ اُسی غلط صورت پر متواتر ہو کر دنیائے اسلام میں شایع ہے (۲) یہ کہ حضرت عثمان کو خود بعض اغلاط کا احساس ہوا جس کو اُنھوں نے پہلی فرصت میں تصحیح کرنے کی ضرورت نہ سمجھی بلکہ بعد کے حوالہ کیا جس کا پھر موقع نہ ملا اور وہ ابتک باقی ہیں (۳) یہ کہ حضرت عثمان نے قرآن میں تغیر و تبدیل کی اور اُسکو پہلی صورت پر باقی نہیں رکھا۔

اب کیا اگر اصلی نسخہ قرآن مجید کا یعنی حضرت ابو بکر کے زمانہ کا جمع کردہ موجود ہوتا تو حضرت عثمان اور اُنکی طرف منسوب شدہ قرآن پر سے ان الزامات کے رفع ہو جانے کا امکان نہ تھا ؟ کیا اُس صورت میں اگر ایک معترض کسکے دل میں مذکورہ بالا احادیث کی بنا پر یہ شبہہ پیدا ہوتا اور وہ تحقیق کے خیال سے اُسکی جستجو چاہتا تو اُسے اطمینان حاصل کر لینے کا ایک بہترین ذریعہ نہ موجود ہوتا ؟ یقیناً

اُس وقت ایک دلدادہ تحقیق کے لئے بہترین صورت یہ تھی کہ اُس قرآن کی مطابقت کر کے اُن تمام شکوک سے نجات پا جاے جو موجودہ قرآن کے متعلق پیدا ہوتے ہیں۔ پھر جب ایسا ہوا اور بڑی کاوش کیساتھ اُس قرآن کو دُنیا سے نابود کرنے کا انتظام کیا گیا تو کیا یہ صورت مذکورہ بالا روایات کے مفاد کو زیادہ تقویت نہیں پہنچاتی اور اسطرح شکوک و شبہات کے دامن کو وسیع سے وسیع تر نہیں بناتی؟

قرآن میں کتابت کی غلطیاں

ملاحظہ ہو حافظ شام جلال الدین سیوطی کی کتاب (اتقان فی علوم القرآن)

ج ۱ صفحہ ۱۸۳–۱۸۴

قال ابو عبید فی فضائل القرآن حدثنا ابو معاویۃ عن ھشام بن عروۃ عن ابیہ قال سألت عائشۃ عن لحن القرآن عن قولہ تعالیٰ ان ھذان لساحران وعن قولہ تعالیٰ والمقیمین الصلوٰۃ والموتون الزکوٰۃ وعن قولہ تعالیٰ انّ الذین امنوا والّذین ھادوا والصابئون فقالت یا ابن اختی ھذا عمل الکتاب اخطئوا فی الکتاب۔ ھذا اسناد صحیح علی شرط الشیخین

"عروہ بن زبیر کی روایت ہے کہ میں نے حضرت عائشہ سے قرآن کی موجودہ غلطیوں کے متعلق سوال کیا جو ان آیات میں ہیں ان ھذان لساحران والمقیمین الصلوٰۃ والموتون الزکوٰۃ۔ ان الذین امنوا والذین ھادو والصابئون اُنھوں نے فرمایا اے فرزند خواہر یہ کاتبوں کی کارستانی ہے، اُنھوں نے کتابت

میں غلطی کی۔ سنداس روایت کی اُن شرائط کے ساتھ جو شیخین (بخاری و مسلم) نے قرار دیے ہیں صحیح ہے۔

دوسری روایت

قال (ابو عبید) حدثنا حجاج عن هرون بن موسے اخبرنی الزبیر بن الخریت عن عکرمة قال لما کتبت المصاحف عرضت علی عثمان فوجدت فیها حروفا من اللحن فقال لا تغیروها فان العرب ستغیرها او قال ستعربها بالسنتها لو کان الکاتب من ثقیف والمملی من هذیل لم توجد فیہ هذہ الحروف اخرجه ابن الانباری فی کتاب الرد علی من خالف مصحف عثمان وابن اشتہ فی کتاب المصاحف ثم اخرج ابن الانباری نحوہ من طریق عبد الاعلی بن عبد اللہ بن عامر وابن اشتہ نحوہ من طریق یحیی بن یعمر۔

عکرمہ کا بیان ہے کہ جب مصاحف لکھے گئے اور حضرت عثمان کے سامنے پیش ہوئے تو اُن میں بعض حروف غلط نظر آئے۔ عثمان نے فرمایا کہ اب انھیں تغیر نہ دو، عرب اہل زبان خود اُنھیں (سمجھ کر) تغیر دے لیں گے۔ یا یوں کہا کہ وہ لوگ اپنے محاورہ کے مطابق خود بنالیں گے۔ اگر لکھنے والا قبیلہ ثقیف سے اور بولتا جانے والا قبیلہ ہذیل سے ہوتا تو یہ غلطیاں پائی نہ جاتیں۔ اس روایت کو ابن انباری نے اپنی کتاب میں اور ابن اشتہ نے کتاب المصاحف میں بھی دو دو طریقوں سے درج کیا ہے۔

تیسری روایت

اخرج (ابن الانباری) من طریق ابی عمش عن سعید بن جبیر انہ کان یقرأ والمقیمین الصلوٰۃ ویقول ھو لحن من الکتاب ۔

سعید بن جبیر والمقیمین الصلوٰۃ کو پڑھ کر کہتے تھے کہ یہ کاتبوں کی غلطی ہی

اب کچھ نہ پوچھو کہ ان روایات کو نقل کرنے کے بعد کیا آجکل بھی ہی کوئی کہتا ہی "یہ احادیث تو بڑے شکل ہین، بھلا صحابہ نحوی غلطی کر سکتے ہین اُنکے تو گھٹی مین فصاحت پڑی ہوئی تھی، اُنسے غلطی کا امکان کہان ہے ۔

دکون کہے وہ ایسے فصیح اللسان تھے کہ ایک محاورہ سے دوسرے محاورہ پر انکی زبان نہین پلٹتی تھی اسی لئے سات حرفون کی ضرورت ہوئی اور پھر آخری دور مین فتوحات ایران کے بعد سے زبان پر اتنا اثر پڑا تھا کہ علم نحو کے وضع کی ضرورت محسوس ہوئی ۔

اور پھر خصوصیت سے قرآن مجید کو تو اُنھون نے رسالت مآبؐ سے تنزیل کے مطابق حاصل کیا تھا اور اُس کو پوری احتیاط کے ساتھ حفظ کر لیا تھا پھر اُس مین غلطی کیونکر کرتے ۔

دعام صحابہ کے متعلق یہ خیال غلط ہے کہ اُنھون نے قرآن کو رسالت مآبؐ سے حاصل کیا تھا، رہ گئے مخصوص لوگ جنھون نے رسولؐ ہی سے حقیقۃ قرآن اخذ کیا تھا وہ مذکورہ بالا الفاظ پر متفق نہ تھے بلکہ اُنمین پھوٹ پڑی ہوئی تھی جیسا کہ تفسیر

خازن بغدادی مطبوعہ مصر ج ۲ صفحہ ۹۲ مین ہے -

والصابئون ظاہر الاعراب یقتضی ان یقال والصابئین

وکذا قراءۃ ابی بن کعب و ابن مسعود و ابن کثیر من السبعۃ والصابئین ترکیب

نحوی کا اقتضا بظاہر یہ ہے کہ والصابئین ہو اور ابی بن کعب و ابن مسعود اور قراء سبعہ مین سے ابن کثیر اسی طرح پڑھا کرتے تھے"-)

پھر یہ کیسے خیال کیا جاسکتا ہے کہ وہ سب غلطی پر مجتمع ہو گئے تھے اور انکو اسکے بعد خیال بھی نہ آیا کہ وہ اسکی اصلاح کرتے -

(اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سو دو سو نمعلوم کتنے کاتب تھے جنکا اجتماع خطا پر محال ہے حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ چار سے زیادہ نہ تھے کتابت کی غلطی سے کوئی عالم و فاضل فصیح بلیغ مستثنیٰ نہین ہے- پہلے کاتب سے غلطیان ہوئین دوسرون نے اُسی کا اتباع کیا- لکھتے وقت لکھنے والے کی توجہ زیادہ تر نقل نویسی کی طرف اس طرح منعطف ہوتی ہے کہ اسکو اکثر الفاظ کے معانی کا تصور بھی نہین ہوتا اور پھر جبکہ پہلی کتابت کے ساتھ حسن ظن بھی اتنا ہو کہ منظور یہ ہے کہ دوسرا نسخہ اسکے بالکل مطابق ہو اور ایک شوشہ کا اختلاف نہونے پائے جسکی تصدیق اُس رسم الخط سے ہوتی ہے جو قرآن کی کتابت مین رائج ہے - حالانکہ اسمین بعض چیزین یقیناً قواعد کتابت کے خلاف ہین جیسے لاأذبحنہ اور لاأوضعوا وغیرہ مگر کیا مجال کہ کاتبانِ قرآن اُس الف کو ترک کردین) پھر یہ کیونکر گمان کیا جاسکتا ہے

کہ حضرت عثمان اُسکے تغیر دینے سے منع کرتے۔

(کسی کتاب کے تصحیح کے وقت خصوصاً جبکہ تعجیل مدنظر ہو اس امر کا لحاظ رکھا جاتا ہے کہ ایسی غلطیاں جنکا اندازہ مطالعہ کرنیوالونکو ذرا دقت سے ہوتا ہے دور کر دی جائین لیکن ایسی صریحی غلطیاں جنکو ہر شخص دیکھکر سمجھہ سکتا ہے ترک کر دی جاتی ہین کہ دیکھنے والا خود ہی انکی تصحیح کرلیگا حضرت عثمان کے جواب مین یہی خیال مضمر معلوم ہوتا ہے وہ فرماتے ہین کہ اِن غلطیون کی تصحیح کی ضرورت نہین۔ عرب اہل زبان ہین وہ خود انکا احساس کر کے انھین اپنے محاورہ کے مطابق درست کرلین گے لیکن اُنھین کیا خبر تھی کہ عام افراد اہل سلام پر انکے اور اُنکے مامور کردہ جامعین قرآن کے ساتھ حسن ظن کچھہ ایسا غالب آجائیگا کہ وہ اس کے تو اس کو جو اس سے زیادہ معمولی غلطیاں ہین جیسے لا اذبحنہ کا الف اسکو بھی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے باقی رکھکر ابتدائی جمع قرآن کی یاد تازہ رکھین گے)

پھر کیونکر گمان ہو سکتا ہے کہ قراءت اسی غلطی کے موافق باقی رہی حالانکہ وہ برابر تواتر کے ساتھ نقل ہوتا رہا ہے (یہ اسی صورت سے باقی رہی کہ جیسے املاء کی غلطیاں برابر باقی رہین اور وہ تواتر کے ساتھ ابتک موجود ہین) یہ ایسی بات ہے جو عقلاً اور شرعاً اور عادۃً محال ہے۔" (غور کرنے کی ضرورت ہے ورنہ مذکورہ بالا وجوہ اسباب اور نظائر کو دیکھتے ہوئے وہ کسی حیثیت سے محال نہین ہے۔)

کوئی کہتا ہے کہ یہ روایات ضعیف السند ہیں قابل عمل نہیں -
کسیکا خیال ہی کہ لحن سے مراد وہ مقامات ہیں جہاں رمز و کنایہ کے طور پر مطالب ذکر ہوئے ہیں - کسیکا مقولہ ہی کہ غلطیوں سے مراد املاء کی غلطیاں ہیں جیسے لااذبحنہ وغیرہ اور اُنکے تصحیح کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی لیکن علامہ سیوطی نے ان جوابات کے نقل کرنیکے بعد لکھدیا ہے - هذه الاجوبة لایصلح منها شئ عن حدیث عائشة اما الجواب بالتضعیف فلان اسناده صحیح کما تری واما الجواب بالرمز وما بعده فلان سؤال عروة عن الاحرف المذکورة لایطابقه
"ان جوابوں میں سے کوئی بھی حضرت عائشہ کی حدیث کے متعلق صحیح نہیں ہی، اس لئے کہ سند اُسکی صحیح ہے لہذا ضعف سند کا بہانہ ہو نہیں سکتا اور رمز و اشارہ والے جواب کا بھی موقع نہیں کیونکہ اُس میں عروہ کا سوال خاص آیات کے متعلق ہی جن میں اعراب کی غلطیوں کو ظاہر کیا گیا تھا -
ابن اشتہ کہتے ہیں کہ مراد حضرت عائشہ کی یہ ہی کہ ان لوگوں نے قراءات سبعہ میں سے موجودہ قراءت کے انتخاب میں غلطی کی ہی نہ یہ کہ جو موجودہ قراءت ہی وہ بالکل غلط اور ناجائز ہے "
لیکن سوال و جواب پر نظر ڈالنے سے یہ تاویل بالکل باد رہوا ثابت ہوتی ہی عروہ بن زبیر نے مذکورۂ بالا آیات میں غلط اعرابی کے متعلق سوال کیا تھا حضرت عائشہ فرماتی ہیں - هذا عمل الکتاب "یہ کاتبوں کی کارستانی ہے" اگر موجودہ الفاظ بھی

حروف سبعہ مین سے ہوتے اور حروف سبعہ کے متعلق یہ عقیدہ ہے کہ وہ خدا کی طرف سے نازل شدہ ہین تو وہ کاتبون کی کارستانی نہین کہے جا سکتے بلکہ وہ بھی خدا کے نازل کردہ ہین۔ اسکے متعلق یہ جواب کافی تھا کہ یہ بھی بعض لغات عرب مین محاورہ ہے اور اس بنا پر حروف سبعہ مین سے ایک حرف کے مطابق ہے اور پھر انتخاب قراءت مین غلطی یہ جامع قرآن یا اختیار کنندگان سے تعلق رکھتی ہے اسکو کاتبون کی طرف منسوب کرنے کے کوئی معنی نہین۔

بعض نے گھبرا کر آیات مذکورہ کی توجیہ کے لئے سیبویہ واخفش وخلیل وغیرہ کو اکھٹا کر لیا اور کلیات ابو البقاء کو الٹنا شروع کر دیا ہے اور مندرجہ الفاظ کی توجیہ کے لئے نحویین کے اقوال و احتمالات سے مدد لی ہے لیکن افسوس ہے کہ ان اقوال و توجیہات مین سے کوئی بھی حضرت ام المومنین عائشہ کی روایت کا درمان نہین ہے بلکہ درحقیقت ان تاویلات مین حضرت ام المومنین کے ارشاد کی تکذیب اور انکی خدمت مین سوء ادب مضمر ہے۔ کیا وہ معظمہ قواعد عرب اور اصول نحو سے واقف نہ تھین یا وہ جان بوجھ کر حضرت عثمان کی عداوت مین صحیح الفاظ کو غلط تبلاتی تھین!

درحقیقت یہ قواعد واصول تو بعد مین ایجاد ہوئے ہین اور اکثر خود قرآن مجید کے آیات کو دیکھکر اور ان سے استفادہ کر کے اور حضرت ام المومنین علم و اپنی ذاتی اطلاع کی بنا پر الفاظ مذکورہ کو غلط اور یہ کاتبون کی کارستانی تبلاتی ہین پھر موصوفہ کے قول کے سامنے نحویین کے توجیہات پیش کرنے سے کیا نتیجہ؟

چوتھی روایت تحریف کا صریحی اقرار	الامام احمد فی مسندہ وابن اشتہ فی المصاحف من طریق اسماعیل المکی عن ابی خلف مولی بنی جمح انہ دخل مع عبید بن عمیر علی عائشۃ فقال جئت

اسألک عن آیۃ فی کتاب اللہ تعالی کیف کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقرأہا قالت ایۃ آیۃ قال الذین یاتون ما اتوا او الذین یؤتون ما اتوا قالت ایتہما احب الیک قلت والذی نفسی بیدہ لاحدہما احب الی من الدنیا جمیعا قالت ایہما قلت الذین یاتون ما اتوا فقالت اشہد ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کذلک کان یقرأہا وکذلک انزلت ولکن الہجاء حرف

امام احمد بن حنبل نے مسند میں اور ابن اشتہ نے کتاب المصاحف میں اسماعیل مکی کے طریق سے ابو خلف جمحی سے روایت کی ہے کہ وہ عبید بن عمیر کی معیت میں حضرت عائشہ کے پاس گئے اور کہا کہ اس آیت کی متعلق دریافت کرنے آیا ہوں کہ رسالت مآب اسکو کیونکر پڑھا کرتے تھے "الذین یاتون ما اتوا یا الذین یؤتون ما اتوا"؟ حضرت عائشہ نے فرمایا کہ تمہیں زیادہ کیا اچھا معلوم ہوتا ہے اُنھوں نے کہا الذین یاتون ما اتوا" معظمہ نے فرمایا میں گواہی دیتی ہوں کہ میں نے جناب رسالت مآب کو اسی طرح پڑھتے سنا اور وہ اسی طرح نازل ہوئی تھی لیکن حروف ہجا میں الفاظ کے تحریف کردی گئی ہے

پانچویں روایت	ابن جریر و سعید بن منصور فی سننہ من طریق

سعید بن جبیر عن ابن عباس فی قولہ حتیٰ تستأنسوا وتسلموا قال انما هی خطأ من الکاتب حتیٰ تستأذنوا وتسلموا۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ حتیٰ تستأنسوا وتسلموا کاتب کی غلطی ہے اصل یون ہے کہ حتیٰ تستاذنوا وتسلموا۔

چھٹی روایت ابن انباری نے بطریق عکرمہ ابن عباس سے روایت کرتے ہے کہ انھون نے یہ آیت پڑہی افلم یتبین الذین امنوا ان لو یشاء اللہ لھدی الناس جمیعا کسی نے کہا کہ مصحف مین تو یون ہے کہ افلم ییئس الذین امنوا الخ ابن عباس نے کہا اظن الکاتب کتبھا وھو ناعس میرا خیال یہ ہے کہ کاتب نے اس جملہ کو بینک مین لکھا ہے۔

ساتوین روایت سعید بن منصور من طریق سعید بن جبیر عن ابن عباس انہ کان یقول فی قولہ تعالیٰ وقضی ربك انما هی ووصّی ربك التزقت الواو بالصاد۔

ابن عباس اس آیت کے متعلق کہ وقضی ربك کہتے تھے یہ اصل مین ووصی ربك تھا کتابت مین واو صاد سے متصل ہو گیا

ابن اشتہ نے اسکو ان الفاظ نقل کیا ہے کہ استمد الکاتب مدادا کثیرا فالتزقت الواو بالصاد۔

کاتب نے روشنائی قلم مین زیادہ لے لی جسکی وجہ سے واو صاد سے

متصل ہوگیا۔

آٹھوین روایت

ابن اشتہ نے ضحاک سے روایت کی ہے کہ اُنھون نے قرآن مین اُس آیت کو نکالکر کسی کے سامنے پیش کیا کہ تم اسے کیونکر پڑہتے ہو؟ اُس نے کہا وقضی ربک ضحاک نے کہا کہ ہم تو اس طرح نہین پڑہتے اور نہ ابن عباس بلکہ اصل مین یہ ووصی ربک ہے اور یونہی وہ ہمیشہ پڑہی اور لکھی جاتی تھی (یعنی حضرت عثمان والے جمع قرآن کی قبل) لیکن کاتب نے روشنائی قلم مین زیادہ لے لی جس سے داؤ صاد سے متصل ہوگیا جس طرح خدا نے فرمایا ہے ولقد وصینا الذین اوتوا الکتاب من قبلکم وایاکم ان اتقوا اللہ۔ اور بہلا اگر خداوند عالم کے قضا و قدر مین گذر جاتا کہ لوگ عبادت کرین تو کوئی اُسکے قضا کی مخالفت کب کر سکتا ہے بلکہ یہ درحقیقت ہدایت ہے جو اُس نے بندون کو کی ہے۔

نوین روایت

سعید بن منصور وغیرہ من طریق عمرو بن دینار عن عکرمۃ عن ابن عباس انہ کان یقرأ ولقد اتینا موسیٰ وھرون الفرقان ضیاء و یقول خذ واھذہ الواو واجعلوھا ھھنا والذین قال لھم الناس ان الناس قد جمعوا لکم الایۃ۔

• ابن عباس اس آیت کو پڑہتے تھے کہ ولقد اتینا موسیٰ وھرون الفرقان ضیاء اور کہتے تھے کہ اس واو کو یہان سے اٹھا کر اس جگہ رکہدو کہ

والذین قال لهم الناس ان الناس قد جمعوا لکم -

اسکے معنی یہ ہین کہ ولقد آتینا والی آیت کے شروع مین واؤ زیادہ اور الذین قال لهم الناس مین واو کم ہے

دسوین روایت

ابن عباس کا بیان ہو کہ مثل نورہ کمشکوۃ مین کاتب سے غلطی ہوئی ہے، خدا کی شان اس سے بلند ہے کہ اُسکے نور کی مثال مشکوۃ ہو بلکہ اصل یہ آیت اس طرح تھی کہ مثل نور المؤمنین کمشکوۃ ابن اشتہ نے ان تمام اخبار کو نقل کرکے کہا ہو کہ انسے مراد وہی تعیین قراءت مین غلطی ہے نہ یہ کہ جو کچھ موجود ہو وہ غلط اور ناقابل عمل ہے لیکن افسوس ہو کہ روایات کے الفاظ اس تاویل سے بہت دور ہین -

وہ فرماتے ہین کہ قلم مین روشنائی زیادہ آگئی واؤ صاد سے مل گیا جسکی بناء پر ووصی کا وقضی ہوگیا - یہ فرماتے ہین کہ یعنی تعیین قراءت مین غلطی ہوئی وہ فرماتے ہین کہ حروف آیت مین تحریف ہوئی، انکا ارشاد ہے یعنی تعیین قراءت مین غلطی ہوئی - وہ کہتے ہین کہ وقضی ربک غلط ہو اس لیے کہ قضاء کے بعد تخلف کیسا؟ یہ کہتے ہین یعنی وہ بھی خدا کی طرف سے نازل شدہ ہے لیکن مقام تعیین مین اس کا انتخاب کرنا غلطی تھی -

کیا تاویلات ایسے ہی ہونا چاہیے ہین جنسے الفاظ بہت شدت سے انکار رکھتے ہوں -

ابن انباری نے اس روایات کے خلاف قلج کا حربہ تیز کیا ہے اور سب کا جواب یہی دیا ہے کہ وہ ضعیف السند ہیں لہذا قابل اعتبار نہیں مگر یہ ایسا جواب ہے کہ حافظ سیوطی بھی اُس سے راضی نہیں اور وہ اِن دونوں جوابوں کے نقل کے بعد فرماتے ہیں والجواب الاوّل ولی واقعد "پہلا جواب بہتر اور زیادہ دلنشین ہے"۔

لیکن ہم نے پہلے جواب کی حقیقت واضح کردی اب یہی تضعیف وہ اس کثرت اسناد اور تعدد روایات کی بناء پر جو استفاضہ کی حد سے بڑھ گئی ہے اعتناء کی مستحق نہیں ہے۔

قرآنمیں تغیروتبدیل اوربالفاظ دیگر تحریف

قال (ابو عبید) حدثنا حجاج عن ابن جریج اخبرنی ابن ابی حمید عن حمیدۃ بنت ابی یونس قالت قرأ علی ابی وھو ابن ثمانین سنتہ فی مصحف عائشۃ ان اللہ و ملٰئکتہ یصلّون علی النبی یا ایھا الذین اٰمنو اصلّو علیہ وسلّمو تسلیما وعلی الذین یصلّون الصفوف الاول قالت قبل ان یغیر عثمان المصاحف۔

حمیدہ بنت ابی یونس کا بیان ہے کہ میرے سامنے ابی بن کعب نے جبکہ وہ کبیر السن اسّی برس کی عمر کے تھے مصحف عائشہ میں یہ آیت اس طرح پڑھی تھی کہ ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علے النبی یا ایھا الذین اٰمنو اصلّو علیہ

وسلموا تسليما وعلى الذين يصلون الصفوف الاول - کہا یہ اُسوقت کا ذکر ہے
کہ جب تک حضرت عثمان نے مصاحف مین تغییر و تبدیل نہین کی تھی۔

(اتقان سیوطی ج ۲ ص ۲۵)

روایت سے صاف ظاہر ہے کہ وعلی الذین یصلون فی الصفوف الاول
کا فقرہ جناب عائشہ کے مصحف مین موجود تھا اور حضرت عثمان نے مصاحف
مین تغییر و تبدیل فرمائی تھی - اسکے ساتھ تحریف و تغییر کی نوعیت تبلائی
نہین گئی اور یہ کہ اُسکا اثر احکام الٰہیہ پر پڑا تھا یا نہین ؟

بیشک علامہ سیوطی نے اس خبر کو نسخ تلاوت کے ذیل مین درج
کیا ہی لیکن یہ ایک خیال ہے جسکا وزن خطا اجتہادی سے زیادہ نہین ہی - اگر
آیت منسوخ التلاوة ہوتی تو حضرت عائشہ اُسکو اپنے مصحف مین کیون باقی
رہنے دیتین حالانکہ اُن معظمہ کا ساتھ جناب رسالتمآبؐ کا آخری وقت تک
رہا تھا لہٰذا عرضہ اخیرہ کی خبر اُن سے بڑھکر کس کو ہو سکتی تھی ؟ اور ابی بن کعب
اسکو کیون تلاوت کرتے جبکہ وہ اقرأ الصحابہ اور بنص حضرت عمر سید القراء تھے
اور پھر حضرت عثمان کی طرف اس تغییر کی نسبت سے صاف ظاہر ہے کہ وہ زید
بن ثابت کی پہلی مرتبہ جمع قرآن کریمین موجود تھی ! ورنہ اس لیے کہ اگر زید والی قرآن مین
نہ ہوتی تو حضرت عائشہ کا مصحف اس پر مشتمل نہ ہوتا - کیونکہ مصحف حضرت عائشہ
اُس جمع قرآن کے موقع پر موجود نہ تھا ورنہ حضرت شیخین کو اس کاوش کی ضرورت نہ پڑتی

اور نہ قرآ کے قتل ہونے سے اُسکے تلف کا خوف پیدا ہوا بلکہ یقیناً یہ مصحف اُسکے بعد لکھا گیا ہے، اور چونکہ وہ صحف حضرت ابو بکر ہی کے پاس موجود تھے اور وہی اُنکے جمع و تدوین کے بانی تھے اور حضرت عائشہ کے کتابت مصحف کے وقت کسی خاص جمع و تدوین کا پتہ بھی نہین ہو اس بناء پر یقیناً حضرت عائشہ کا مصحف اُنہی صحف کی مطابقت سے تھا۔ پھر اگر وہ منسوخ التلاوۃ تھی تو عرضہ اخیر مین حاضر ہونے والے زید بن ثابت ہی اُسکو قرآن مین درج کیون کرتے جو نوبت حضرت عثمان تک پہونچتی اور اُنھین اس تغیر و تبدیل کی ضرورت محسوس ہوتی

قرآنکا کثیر حصہ تلف

حدثنا ابن ابی مریم عن ابن لھیعۃ عن ابی الاسود عن عروۃ بن الزبیر عن عائشۃ قالت

کانت سورۃ الاحزاب تقرأ فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم مائتی آیۃ فلما کتب عثمان المصاحف لم یقدر منھا الا ما ھو الآن۔

عروہ بن زبیر حضرت عائشہ کی زبانی ناقل ہین کہ آپ فرماتی تھین سورۂ احزاب جناب رسالتمآبؐ کے زمانہ مین دو سو آیتونکا پڑھا جاتا تھا لیکن جب حضرت عثمان نے مصاحف کو لکھا تو اُنھین نہ مل سکا مگر اتنا ہی جواب موجود ہے۔ (اتقان صفحہ مذکورہ)

اس روایت کے الفاظ کو بھی نسخ تلاوت سے کوئی تعلق نہین ہو اس لئے کہ حضرت عائشہ بقیہ حصہ کے عدم اندراج کی وجہ عجز و قصور اور دستیاب نہو سکنے کو

قرار دیتی ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کافی جستجو کی گئی کہ اگر بقیہ آیات اس سورہ کے متعلق دستیاب ہوں تو وہ درج کئے جائیں لیکن اس سے زیادہ نہ مل سکیں۔ اگر اس حصہ کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ منسوخ التلاوہ ہے تو زید بن ثابت صاحب عنہ وغیرہ اس امر پر مطلع ہوتے اور ان آیات کو ڈھونڈھنے جستجو کرنے کی ضرورت ہی محسوس ہوتی تاکہ نتیجہ میں یاس و حرمان سے دوچار ہونا پڑے بلکہ وہ آیات اگر سامنے موجود ہوتے تب بھی درج نہ کئے جاتے لہذا درج نہ کئے جانے کا سبب تبلانا کہ وہ دستیاب ہو سکے اس امر کی صریحی دلیل ہے کہ وہ آیات منسوخ التلاوۃ نہ تھے بلکہ اگر دستیاب ہوتے تو ضرور درج کرنے کے قابل تھے۔

یہ خیال کہ کسی آیت کا صحابہ کے ذہن سے نکلجانا اور انکا اسے فراموش کردینا ہی اسکے منسوخ التلاوۃ ہونے کی سند ہے واقعیت سے کوسوں دور ہے انسان عجز و قصور کا مجسمہ اور اسکی طبیعت نقائص کا مجموعہ ہے سہو و نسیان اسکے فطری عوارض میں سے ہے جو طویل عرصہ تک بے توجہی اور عدم مزاولت کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ اسکی ذمہ داری خداوند عالم پر عائد کرنا غلط ہے۔

صحیح بخاری سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس نسیان سے رسالتمآبؐ بھی مستثنیٰ نہ تھے چنانچہ اسمیں "باب نسیان القرآن" میں یہ حدیث موجود ہے حدثنا احمد بن ابی رجاء قال حدثنا ابو اسامۃ عن ہشام بن عروۃ عن ابیہ عن عائشۃ قالت سمع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رجلا یقرأ فی سورۃ اللیل فی مسجد فقال

یرحمہ اللہ لقد اذکرنی کذا وکذا ایۃ کنت اسقطتہا من سورۃ کذا وکذا

"حضرت عائشہ کا بیان ہے کہ جناب رسالت مآبؐ نے ایک شخص کو شب کے وقت ایک سورہ پڑھتے سُنا حضرت نے فرمایا خدا اسپر رحمت نازل کرے اس نے مجھ کو فلان فلان آیتین فلان فلان سورہ کی یاد دلادین جنکو مین بھول گیا تھا۔ (مطبوعہ کرزن پریس صفحہ ۵۳)

اور اس مضمون کی متعدد حدیثین اس باب مین اور باب من لم یر باساً ان یقول سورۃ البقرۃ وسورۃ کذا" مین مذکور ہین۔ پھر جب رسالت مآبؐ کا نسیان بعض آیات کو اُن آیات کے منسوخ التلاوۃ ہونے کی دلیل ہو اور نہ رسالت مآبؐ اُن آیات کے یاد آجانے پر اظہار مسرت نہ فرماتے تو کسی اور کا نسیان وہ نسخ تلاوت کی دلیل کب ہو سکتا ہے ؟

اور پھر تلف کے اسباب سہو و نسیان مین منحصر نہین بلکہ دوسری صورتین بھی تھین جنمین سب سے اہم حفاظ قرآن کا لڑائیون مین شہید ہو جانا ہے جسکی بنا پر حضرت عمر کو قرآن مجید کی جمع آوری کا خیال پیدا ہوا تھا چنانچہ اتقان ج ا صفحہ ۵۹ مین ہے

اخرج ابن ابی داؤد من طریق الحسن ان عمر سأل عن ایۃ من کتاب اللہ فقیل کانت مع فلان قتل یوم الیمامۃ فقال انا للہ وامر بجمع القرآن۔

"حسن کی روایت ہے کہ حضرت عمر نے ایک آیت کے متعلق دریافت کیا معلوم ہوا کہ وہ فلان صحابی کے پاس تھی جو جنگ یمامہ مین قتل ہو گئے۔ یہ سنکر آپنے (انا للہ) ...

کہا انا للہ وانا الیہ راجعون اور جمع قرآن کا شورہ دیا۔"

علامہ سیوطی اس روایت کے متعلق فرماتے ہیں کہ مقطوع الاسناد ہے لیکن وہ کیا کریں گے کہ اس کا مضمون صحیح بخاری کی اُس حدیث سے بالکل موافق ہے جس میں حضرت عمر کا گھبرا کر حضرت ابوبکر کی خدمت میں آکر کہنا مذکور ہے کہ غضب ہو گیا روز یمامہ بہت سے حفاظ قرآن مار ڈالے گئے اور اگر اسی طرح دو تین لڑائیوں میں حفاظ قرآن کام آئے تو کثیر حصہ قرآن کا ہاتھ سے جاتا رہیگا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ حفاظ قرآن کی شہادت سے آپکو کثیر مقدار میں قرآن مجید کے تلف کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا، کیا اس صورت سے جو اجزائے قرآن تلف ہوں وہ بھی منسوخ التلاوۃ سمجھے جائیں گے تو پھر حضرت عمر کو فکر ہی کیا تھی؟ جتنے آیات منسوخ ہونیوالے تھے وہ تلف ہو جاتے اور جو کچھ باقی رہتا وہ ہی مکمل قرآن سمجھا جاتا لیکن ایسا نہیں ہے۔ درحقیقت اس قسم کے حوادث سے قرآن مجید کی اصلیت پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا اور نہ انکو نسخ تلاوۃ سے کوئی تعلق ہے۔

دوسری روایت

قال ابو عبید حدثنا اسمٰعیل بن ابراھیم عن ایوب عن نافع عن ابن عمر قال لیقولن احدکم قد اخذت القرآن کلہ وما یدریہ ما کلہ قد ذھب منہ قرآن کثیر ولکن لیقل قد اخذت ما ظھر۔

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ تم میں سے ہر شخص کہتا ہوگا کہ میں نے

پورا قرآن حاصل کر لیا، حالانکہ اُسے کیا معلوم پورا قرآن کیا چیز ہے، اُس مین تو اکثر حصہ تلف ہو گیا ہے، بیشک یہ کہنا چاہیے کہ قرآن مین سے جتنا ظاہر ہوا اُس کو مین نے لے لیا ہے۔ (اتقان ج ۲ ص ۲۵)

وہ نسخ تلاوت والا وار جو ہر روایت کے متعلق منجا ہوا ہے اگرچہ ہمیشہ خالی جاتا ہے بھلا اس روایت کے مقابل کیونکر ہوتا چنانچہ فوراً ذھب منہ قرآن کثیر کے معنی کہہ دیے گئے کہ یعنی اکثر حصہ اس کا منسوخ التلاوۃ ہو گیا ہے۔ لیکن معنی شناس افراد اس تاویل کی سبکباری کا اندازہ کر سکتے ہین۔

ایک تو منسوخ التلاوۃ ہو جانے کے معنی یہ ہین کہ وہ آیت بحکم الٰہی قرآن سے خارج کر دی گئی پھر اسکی بنا دیر اس ممانعت کے کوئی معنی نہین کہ قرآن کامل موجود ہونے کا اپنے پاس ادعا نہ کرو، حضرت عبداللہ بن عمر ایسے فقیہ کی طرف اس بے بنیاد حکم کی نسبت قابل تسلیم نہین ہے۔

پھر اس کے مقابلہ مین یہ کہنے کی ہدایت کہ قد اخذت منہ ما ظھر نسخ تلاوت پر منطبق نہین ہے اسلیئے کہ ظہور مقابل خفا ہی اور خفا وجود پر موقوف یعنی اکثر حصہ قرآن کا مخفی رہا اور ہم تک پہونچ سکا جو کچھ پہونچا وہ ہم نے لے لیا، نسخ بمعنی ازالہ ہے اور اُس کا مقابل بقا ہی نہ ظہور۔ بیشک یہ کہنا اُس صورت مین صحیح تھا کہ قد اخذت منہ ما بقی۔

پھر ذہاب کے معنی کو نسخ تلاوت سے کوئی تعلق نہین بلکہ ذہاب کی لفظ

وہی ہے جو حدیث جمع قرآن مین حضرت عمر کی زبانی باین الفاظ مذکور ہے۔

انی اخشیٰ ان یستحر القتل بالقرآء فی المواطن فیذھب کثیر من القرآن

مجھ کو خوف ہے کہ لڑائیون مین حفاظ اسی موت پر مار ڈالے جائین تو

بہت سا قرآن ہاتھ سے جاتا رہے۔

یہان ذہاب کے معنی تلف کے سوا کچھ اور نہین اور یہ لفظ اسی عبارت

کے ساتھ عبد اللہ بن عمر کے قول مین مذکور ہے وہ فرماتے ہین قد ذھب منہ قرآن

کثیر لہذا اُسکے بھی معنی یہی ہو سکتے ہین کہ بہت سا قرآن ہاتھ سے جاتا رہا یعنی تلف ہو گیا ہے

نسخ تلاوت کی مختصر بحث

اکثر وہ احادیث کہ جنسے آیات قرآن کی مختلف طرح

کی کاٹ چھانٹ کا پتہ چلتا ہے اُنکو نسخ تلاوت کے سر منڈھنے کی

کوشش کی گئی ہے جس کا اجمالی اشارہ سابق مین گذر چکا اور ہم نے یہ ثابت

کر دیا کہ اُن احادیث کو نسخ تلاوت سے کوئی تعلق نہین ہے۔ اب کلیۃً نسخ تلاوت

کے متعلق نظر ڈالنا منظور ہے کہ کیا وہ کوئی تسلیم شدہ اور ناقابل انکار چیز ہے

یا وہ ایک طبعزاد خیال اور خود ساختہ نظریہ ہے جو کسی مستند دلیل سے

وابستہ نہین ہے۔

علامہ ابو القاسم ھبۃ اللہ بن سلامہ ابی النصر متوفی سنہ ۴۱۰ھ نے

اپنی کتاب الناسخ والمنسوخ مین جو اسباب النزول واحدی کے حاشیہ پر مصر مین

طبع ہوئی ہے نسخ کے اقسام ذکر کرتے ہوے لکھا ہے المنسوخ فی کتاب اللہ عزوجل

علی ثلثۃ اضرب فمنہ ما نسخ خطہ وحکمہ ومنہ ما نسخ خطہ وبقی حکمہ ومنہ ما نسخ حکمہ وبقی خطہ۔

"منسوخ آیات کتاب خدا مین تین قسم کے ہین ایک وہ کہ جسکی کتابت اور حکم دونون منسوخ ہوگئے دوسرے وہ کہ جس کی کتابت منسوخ ہوگئی لیکن حکم باقی ہے تیسرے وہ کہ جس کا حکم منسوخ ہوا اور کتابت باقی ہے"

فامّا ما نسخ حکمہ وخطہ فمثل ما روی عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ انہ قال کنا نقرأ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۃ نعدلہا سورۃ التوبۃ ما احفظ منہا غیر اٰیۃ واحدۃ ولو انّ لابن ادم وادیان من ذہب لا بتغی الیہما ثالثا ولو انّ لہ ثالثا لابتغی الیہا رابعا ولا یملأ جوف ابن ادم الّا التراب ویتوب اللہ علی من تاب وروی عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ انہ قال اقرأنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٰیۃ فحفظتہا وکتبتہا فی مصحفی فلما کان اللیل رجعت الی مضجعی فلم ارجع منہا بشیٔ وغدوت الی مصحفی فاذا الورقۃ بیضاء فاخبرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لی یا ابن مسعود تلک رفعت البارحۃ "وہ کہ جس کی کتابت اور حکم دونون منسوخ ہوگئے ہون اُس کی مثال یہ ہے کہ انس بن مالک کا بیان ہے کہ جناب رسالتمآب کے زمانہ مین ایک سورہ الیبا پاتے تھے جو سورۂ توبہ کے برابر تھا اُس مین

سے مجھکو صرف ایک آیت یاد ہے کہ و لو ان لابن آدم الخ فرزند آدم
یعنی انسان کے لئے اگر دو جنگل سونے کے ہوتے تو وہ تیسرے کا طالب ہوتا
اور تین ہوتے تو چوتھے کا طالب ہوتا اور فرزند آدم کے پیٹ کو اگر کوئی
چیز بھر سکتی ہے تو وہ مٹی ہے اور خدا جسکی توبہ قبول کرنا ہوتی ہے اُس
کی توبہ قبول کرتا ہے) اور ابن مسعود سے نقل ہے اُن کا بیان ہے کہ مجھ کو
رسالتمآب نے ایک آیت کی تعلیم دی مین نے اُسکو یاد کیا اور اپنے
مصحف مین لکھ لیا جب رات ہوئی اور مین اپنے بستر پر گیا تو بہت دھیان
کیا وہ آیت یاد نہ آئی۔ مصحف کو جاکر دیکھا تو ورق سادہ تھا اور اُسکی کتابت
محو ہو گئی تھی۔ آخر اسکی اطلاع مین نے جناب رسالتمآب کو دی۔
حضرت نے فرمایا "اے ابن مسعود وہ شب کو اُٹھالی گئی"

واما ما نسخ خطہ وبقی حکمہ فمثل ما روی عن عمر بن الخطاب
رضی اللہ عنہ انہ قال لولا اکرہ ان یقول الناس قد زاد فی القران
مالیس فیہ لکتبت اٰیۃ الرجم واثبتہا فی اللہ لقد قرأناھا علی رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم لا ترغبوا عن اٰبائکم فان ذلک کفر بکم الشیخ
والشیخۃ اذا زنیا فارجموھما البتۃ نکالا من اللہ واللہ عزیز حکیم
"وہ کہ جسکی کتابت منسوخ ہو گئی لیکن حکم باقی ہے اُسکی مثال یہ ہے
کہ حضرت عمر فرماتے تھے اگر مجھے ناگوار نہ ہوتا یہ امر کہ لوگ کہین گے اکھون نے قرآن مین

زیادتی کردی تھی مین آیہ رجم کو قرآن مین لکھدیا اور ثابت کردیا اس لئے کہ بجدا ہم نے رسالت مآبؐ کے سامنے اسکو پڑھا تھا لا ترغبوا عن آبائکم الخ۔"

(حاشیۂ اسباب النزول مطبوعہ مصر صفحہ ۳۰۹)

جب ہم ان روایات پر جنکو نسخ تلاوت کے ثبوت مین پیش کیا جاتا ہے نظر ڈالتے ہین تو سوائے ابن مسعود والی روایت کے کوئی نسخ تلاوت کو نہین تبلاتی اس لئے کہ انس بن مالک کی روایت مین صرف ایک سورہ کا پتہ دیا گیا ہے جو جناب رسالت مآبؐ کے زمانہ مین پڑھا جاتا تھا اور موجودہ قرآن مین موجود نہین ہے اور یہ کہ انس کو اُس سورہ مین کی صرف ایک آیت یاد رہگئی ہے اور پورا فراموش ہوگیا اس کو نسخ تلاوت کی دلیل اُسی وقت سمجھا جاسکتا ہے جب کسی صحابی کے سہو و نسیان اور بھول چوک کی ذمہ داری خدا پر عائد ہو اور اُس کا فراموش کرجانا منسوخ التلاوۃ ہونے کی سند ہو حالانکہ ہم اِس خیال کو کمال وضاحت کے ساتھ باطل کرچکے ہین، ہم نے صحیح بخاری کے حوالے سے یہان تک دکھلایا تھا کہ رسالت مآبؐ کا کسی آیت کو بھول جانا اُسکے نسخ کی دلیل نہین سمجھا گیا ہے چہ جائیکہ صحابہ کا نسیان۔

پھر اگر صرف بھولجانا ہی نسخ تلاوت کی دلیل ہے تو وہ ایک آیت جو یاد رہ گئی تھی موجودہ قرآن مین کیون نظر نہین آتی؟

کیا تمام سورہ کے فراموش ہوجانے کے ساتھ ساتھ ایک آیت کا

یادرہ جاتا اس امر کا پتہ نہیں دیتا کہ یہ آیت منسوخ نہ تھی ورنہ یہ بھی دیگر آیات کی طرح زینت طاق نسیان ہو جاتی ؟

اسکے منسوخ الحکم والتلاوۃ ہونے کی کیا سند ہے ۔ اسکے جواب کی ذمہ داری علامہ ابو القاسم ہبۃ اللہ بن سلامہ کے ذمہ عائد ہوتی ہے ۔

قاضی شوکانی نے خصوصیت کے ساتھ اسی آیت کو منسوخ التلاوہ مین داخل کیا ہے اور حکم کو اُس کے باقی تبلایا ہے چنانچہ وہ اپنی کتاب ارشاد الفحول مین اقسام نسخ کا تذکرہ کرتے ہوے رقمطراز ہین ۔

الخامس ما نسخ رسمہ لا حکمہ ولا یعلم الناسخ لہ ذلک کما ثبت فی الصحیح لو کان لابن آدم وادیان من ذھب لتمنیٰ لھما ثالثا لا یملأ جوف ابن آدم الا التراب ویتوب اللہ علی من تاب فان ھذا کان قرآنا ثم نسخ رسمہ قال ابن عبد البر فی التمھید قیل انہ فی سورۃ ص)

"پانچوین قسم یہ ہے کہ کتابت منسوخ ہو لیکن حکم باقی ہے اور ناسخ کا پتہ نہو جیسے وہ آیت جو خبر صحیح سے پایۂ ثبوت کو پہونچی ہے کہ لو کان لابن آدم الخ یہ جزو قرآن تھی پھر اسکی کتابت منسوخ ہو گئی ، ابن عبد البر نے تمہید مین کہا ہے کہ یہ آیت سورہ ص مین تھی" (مطبوعہ مصر صہ)

آخری جزو عبارت سے اُس سورہ کی بھی بالکل نفی ہو جاتی ہے جس کا پتہ انس بن مالک نے دیا تھا اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت کسی خاص

سورہ سے تعلق نہ رکھتی تھی بلکہ اسی سورۂ ص مین تھی کہ جو فعلاً موجود ہے لیکن اس صورت مین قاضی شوکانی سے اس خبر صحیح کا پتہ دریافت کرنا ضروری ہے کہ جسمین اس آیت کے نسخ کا پتہ دیا گیا ہے۔

حضرت عمر کی روایت متعلقۂ آیت رجم کو نسخ تلاوت کے ثبوت مین پیش کرنا انتہائی مضحکہ خیز ہے اسلیئے کہ اُس روایت کے الفاظ صریحی طور پر اُس آیت کے متعلق نسخ کے خیال کو بے بنیاد ثابت کرتے ہین وہ فرماتے ہین کہ اگر مجھے خوف نہ ہوتا کہ لوگ کہین گے عمر نے قرآن مین زیادتی کردی تو مین اس آیت کو قرآن مین لکھدیتا اور ثابت کردیتا۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ لوگون کی نکتہ چینی کا خیال یا بالفاظ دیگر تقیہ وہ تھا کہ جو حضرت عمر کو اس آیت کی کتابت سے مانع ہوا ورنہ وہ ضرور اس آیت کو درج قرآن فرمادیتے۔

اگر آیت منسوخ التلاوۃ ہوتی تو وہ حقیقۃً قرآن مین درج ہونے کے قابل نہ تھی۔ اُس مین درج کردینے کا ارادہ لیکن لوگون کے خوف سے لرز لرز کر رہ جانا کوئی معنی نہین رکھتا۔

ان روایات کو نسخ تلاوت کی سند مین پیش کرنا خود نسخ تلاوت کے بنیادون کی کمزوری یا درہوا ہونے کا ثبوت دیتا ہے اسی بنا پر اکثر علماء کے اقوال سے نسخ تلاوت کی کوئی حقیقت ظاہر نہین ہوتی چنانچہ ابوبکر محمد بن سی

بن عثمان الہمدانی متوفی ۵۸۴ھ اپنی کتاب الاعتبار فی بیان الناسخ والمنسوخ من الآثار (مطبوعہ حیدر آباد ص۶) میں لکھتے ہیں

ان المعروف من النسخ فی القرآن ھو ابطال الحکم مع اثبات الخط وکذلک ھو فی السنة اما فی الکتاب فھو ان تکون الآیة الناسخة والمنسوخة ثابتتین فی التلاوة الا ان المنسوخة لا یعمل بھا مثل عدة المتوفی عنھا زوجھا کانت سنة لقوله متاعا الی الحول غیر اخراج ثم نسخت باربعة اشھر وعشر فی قوله تعالی یتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشرا "جو معنی نسخ کے قرآن میں تسلیم شدہ ہیں وہ یہ ہیں کہ حکم منسوخ ہو جائے لیکن آیت کے الفاظ باقی رہیں اور ایسا ہی سنت کے نسخ میں بھی ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں نسخ کی صورت یہ ہے کہ ناسخ اور منسوخ دونوں آیتیں تلاوت میں ثابت رہیں مگر منسوخ پر عمل نہو جیسے بیوہ عورت کا عدہ متاعا الی الحول غیر اخراج والی آیت میں ایک سال قرار دیا گیا تھا اور وہ یتربصن بانفسھن اربعة اشھر وعشرا میں منسوخ ہو گیا اور اسکے بعد چار مہینہ دس ہی دن عدہ رہگیا"

حقیقت یہ ہے کہ مستند روایات میں نسخ تلاوت کا کوئی ثبوت نہیں ہے وہ تمام روایات نقص و تحریف کو بتلاتے ہیں جنہیں اپنے مسلک اور صحابہ کے ساتھ حسن ظن کے خلاف دیکھکر خواہ مخواہ کھینچ تان کر

نسخ تلاوت کا جامہ پہنایا جاتا ہے لیکن وہ کسی طرح نسخ تلاوت پر منطبق نہین ہوتے اور جو اُن کا مفاد ہے وہ اپنی جگہ پر باقی رہتا ہے۔

مذکورہ سابق تصریحات کے نتائج

مذکورہ بالا تمام بیانات سے حسب ذیل نتائج برآمد ہوتے ہین۔

(۱) قرآن مجید رسالت آبؐ کے زمانہ مین جمع نہ ہوا تھا بلکہ وہ متفرق کاغذ کے پرزون پتھر کے ٹکڑون اور اسی قسم کی چیزون پر درج تھا

(۲) رسالت آبؐ کی وفات کے بعد جبکہ ایک کثیر جماعت حفاظ قرآن مین کی قتل ہو چکی اُسوقت جمع قرآن کا خیال پیدا ہوا۔

(۳) جمع و ترتیب کا کام ذاتی اعتماد کی بنا پر انفرادی حیثیت سے زید بن ثابت کے سپرد کر دیا گیا اور اس طرح اسکی تمام ذمہ داری صرف زید کی طرف عائد قرار پاتی ہے۔

(۴) زید بن ثابت دو گواہون کی تصدیق کے بعد آیت کو درج کرتے تھے اس سے اِن آیات کے تواتر کو صدمہ پہونچتا ہے اور نیز وہ آیات درج ہونے سے رہ گئے جن پر شہادت عدلین حاصل نہ تھی لہذا اس مجموعہ کے مکمل ہونے کا یقین کیونکر ہو؟

(۵) قرآن کا نظم و نسق اصلی ترتیب قرآن سے بالکل مخالف ہے۔ سورون مین آگے کا پیچھے اور پیچھے کا آگے اور نیز آیات مین

مقدم کا موخر اور موخر کا مقدم ہو گیا ہے ۔

(۶) قرآن مجید سات حرفون پر نازل کیا گیا تھا جنکے اعتبار سے صحابہ کی قرأت مین بھی اختلاف تھا لیکن حضرت عثمان نے چھ حرفونکو ساقط کر کے تمام صحابہ کو ایک ہی قسم کی قرادت کا پابند بنا دیا ۔

(۷) موجودہ قرآن مین بتصریح حضرت عائشہ و ابن عباس وغیرہ کتابت کی غلطیان پائی جاتی تھین جنکی اصلاح نہو سکی اور وہ اسی غلط صورت پر حد تواتر کو پہونچ گیا ۔

(۸) مصاحف قرآنیہ مین تغیر و تبدیل ہو گئی تھی جسکے مقامات کا علم بھی نہین ہے

(۹) قرآن سے کثیر حصّہ ساقط ہو گیا ہے اور مکمل قرآن موجود نہین ہے ۔

اب ان نتائج کے مطابق جنمین سے ایک حرف بھی میرا طبعزاد نہین ہے اور نہ یہ ضرور ہی ہے کہ مین اُن تمام سے متفق ہون بلکہ وہ تمام اُن احادیث و روایات کا لب لباب ہین جو مستند جوامع حدیث و کتب برادران اہل سنت مین مذکور ہین کیا ایمان بالقرآن کا دعوے عقل و منطق کی رو سے حق بجانب ہے ۔؟

معیار اعتبار پر ایک عمیق نظر ڈالو اور اُن روایات کو اُس پر

منطبق کرو؟

پہلا جزو یہ کہ "کسی جزو مین بھی تحریف و تغییر کا یقین کیسا احتمال بھی نہو"

ان روایات سے رخصت ہوگیا جن مین صاف طور پر اس قرآن مین تغیر و تبدیل اور اغلاط کتابت اور حذف و اسقاط کا اعتراف کیا گیا ہے۔

دوسرا جزو یہ تھا کہ "اگر تحریف و تغیر کا وجود ثابت ہو تو مستند وجوہ کی بنا پر اُن مقامات کی تعیین ہو جہان وہ تغیر ہوا ہے یا اُن مطالب کی نوعیت معلوم ہو کہ جنکا اسقاط عمل مین آیا ہے اور باقی کے متعلق کوئی قطعی ضمانت ہو جو اُسکے کلام الٰہی اور واجب العمل ہونے کی دلیل ہو" لیکن یہان ایسا بھی نہین حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہین کہ کثیر حصہ قرآن کا ہاتھ سے جاتا رہا۔ لیکن یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ کثیر حصہ آیات قصص مواعظ وغیرہ مین کا تھا یا آیات احکام؟

اور اُسکے ساقط ہو جانے سے موجودہ آیات کے معانی و مطالب پر کچھ اثر پڑا یا نہین اسلیے کہ اکثر ایک آیت کے معنی مین دوسرے آیات کے ضمیمہ سے عظیم انقلاب پیدا ہو جایا کرتا ہے۔

اسی طرح حضرت ام المومنین عائشہ نے یہ فرمایا کہ سورۂ احزاب دو سو آیتون سے زیادہ تھا مگر اُن آیات کی نوعیت کچھ نہ تبلائی۔ اس تحریف و تغیر اور حذف و اسقاط کی اجمالی اطلاع سے کیا ہر جزو مشکوک نہوگا اور پھر جبکہ موجودہ باقی حصہ کی صحت کے لئے کوئی قطعی دلیل بھی تسلیم شدہ عقائد کی

بنا دیر موجود نہیں ہے اسلئے کہ فرزندان اسلام کی اکثریت نے رسولؐ کے بعد کسی معصوم شخص کے وجود کو ضروری نہیں سمجھا ہے جو اسلام و آثار کا حقیقی محافظ ہو بلکہ وہ تمام اشخاص کو جائز الخطاء سمجھتے ہیں اور جائز الخطاء اشخاص کا نتیجۂ عمل قطعی طور پر خطاء کے احتمال سے بلند نہیں ہو سکتا لہٰذا اب برہانی حیثیت سے ایمان بالقرآن کا مستند کیا رہ جاتا ہے؟ کچھ نہیں!

لیکن باوجود اسکے میں اس امر کا حق نہیں رکھتا کہ کسی کے ایمان بالقرآن کی نفی کروں اور نہ جیسا کہ تمہید میں کہہ چکا ہوں میں نے اس مقصد کیلئے قلم اٹھایا ہے ہمارے سواد اعظم کے پاس ایک بنیاد موجود ہے جس پر وہ ایمان بالقرآن کی عمارت قائم کر سکتے ہیں اور وہ حسن ظن صحابۂ کرام کے ساتھ ہے یہ وہ مضبوط اساس ہے جس پر خلافت ایسے اہم مسئلہ کی بنیاد قرار پائی ہے چنانچہ عضد الدین ایجی نے کتاب مواقف میں حضرت علیؑ کی افضلیت کے ادلہ نقل کرنیکے بعد بسلسلۂ جواب حسب ذیل عبارت تحریر فرمائی ہے۔

نحن وجدنا السلف قالوا ان الافضل ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی وحسن الظن بهم یقتضی ان لم یعرفوا لما یطبقوا علیه فوجب علینا اتباعهم فی ذلک القول وتفویض ما هو الحق الی الله۔

"ہم نے صدر اسلام کے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے پایا کہ افضلیت بترتیب خلافت ہے اور حسن ظن ان لوگوں کے ساتھ اس امر کا مقتضی ہے

کہ اگر وہ اس امر کو پورے طور پر سمجھ لیتے تو کبھی اس پر متفق نہ ہوتے لہذا ہم پر اس قول مین اُنکا اتباع لازم ہے اور واقعاً حق کیا ہے اس کو خدا کے سپرد کرتے ہین"۔

شارح مواقف نے بھی اس قول مین اُنسے اختلاف نہین کیا ہے۔

(ملاحظہ ہو شرح مواقف مطبوعہ لکھنؤ صفحہ ۷۴۰۷۴۳)

اب جتنی بھی عقلی و نقلی دلیلین پیش کی جائین اُن سب کے مقابلہ مین حسن ظن صحابہ کے ساتھ کافی ہے اور وہی ایمان بالقرآن کا واحد مستند ہو سکتا ہے اور بس۔

قرآن مجید کے متعلق شیعی نقطۂ نظر

اسمین شبہہ نہین کہ جوامع حدیث مین ایسے روایات موجود ہین جنسے یہ امر ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن مجید اصلی صورت پر باقی نہین ہے بلکہ اُس مین کچھ نہ کچھ تغیر و تبدل پیدا ہوا ہے لیکن اُسکی نوعیت کیا ہے اس مین یہ احادیث سب ایک ہی نقطہ پر مجتمع نہین ہین بلکہ اُنکے مفاد مین اختلاف ہے اور اس طرح یہ روایات چند اقسام کے تحت مین مندرج ہو جاتے ہین۔ جنکو

فہرست وار درج کرتے ہوئے کہین کہین علم رجال کے معیار پر سند کی تحقیق بھی کرتے جائین گے۔

پہلی قسم

وہ روایات جنسے صرف اختلاف ترتیب کا پتہ چلتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ قرآن ترتیب نزول کے مطابق نہین ہے۔

(۱) عن احمد بن علی القرشی عن محمد بن الفضیل عن ابی حمزۃ الثمالی عن ابی جعفر علیہ السلام قال ما احد من ھذہ الامۃ جمع القرآن کما انزل بہ جبرئیل علیہ السلام علی محمدؐ الا وصی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ابو حمزۂ ثمالی نے امام محمد باقرؑ سے نقل کیا ہے کہ حضرت نے فرمایا کسی شخص نے اِس اُمت مین سے قرآن کو اُس طرح جمع نہین کیا کہ جس طرح اُسکو جبرئیل نے رسالتمآبؐ پر نازل کیا تھا مگر وصی رسول (علیؑ) نے

(۲) محمد بن یحیٰی عن احمد بن محمد عن ابن محبوب عن عمرو بن ابی المقدام عن جابر قال سمعت ابا جعفر علیہ السلام یقول ما ادعی احد من الناس انہ جمع القرآن کلہ کما انزل الا کذاب وما جمعہ وحفظہ کما نزلہ اللہ الا علی بن ابی طالب والائمۃ من بعدہٖ

امام محمد باقر علیہ السلام فرماتے ہین کہ کوئی شخص عام لوگوں مین سے اس بات کا ادعا نہ کرے گا کہ اُس نے تمام قرآن کو جس طرح خدا نے

نازل کیا تھا اُس صورت پر حفظ کیا ہے مگر یہ کہ وہ دروغ گو ہوگا اُسکو اُس صورت پر نہین حفظ کیا مگر علی بن ابی طالب نے اور ایمہ نے کہ جو آپ کے بعد تھے۔

اس روایت کو ثقۃ الاسلام ابو جعفر محمد بن یعقوب کلینی رحمہ نے اصول کافی مین اور محمد بن حسن صفار نے بصائر الدرجات مین درج کیا ہے۔ ان دونون حدیثون کے مفاد پر نظر کی جائے تو وہ اتقان سیوطی والی اُس روایت سے بالکل مطابق ہے جس مین عکرمہ سے دریافت کیا گیا ہے کہ الفوہ کما انزل الاول فالاول " کیا صحابہ نے جس طرح قرآن کو خدا نے نازل کیا تھا اُسی صورت پر سلسلہ وار جمع کیا تھا" اور عکرمہ نے کہا ہے کہ لو اجتمعت الانس والجن علی ان یولفوہ ھذا التالیف ما استطاعوا اس صورت سے تو اگر تمام جن و انس بھی جمع ہوتے قرآن مجید کو جمع نہ کر سکتے تھے"۔

بیشک اِس مقولہ کی تعمیمی حیثیت مین جس تنگ نظری و کوتاہ بینی کا مظاہرہ موجود تھا اُسکی ان دونون روایتون مین استثنائی جملہ سے اصلاح کر دیگئی ہے۔

اِن دونون روایتون سے ظاہر ہے کہ امیر المومنین کے ترتیب دادہ قرآن مین یہ امر مخصوص تھا کہ وہ کیفیت ترتیب مین عنوان نزول کے مطابق تھا اور اسی کے مطابق علمائے اہلسنت کے روایات سابق مین

ذکر ہو چکے ہین۔

دوسری خصوصیت وہ ہے جس کا تذکرہ احتجاج طبرسی کی ایک طویل روایت کے ذیل مین ہوا ہے کہ فلما رأی علی علیہ السلام غدرہم وقلۃ وفائہم لزم بیتہ واقبل علی القرآن یولفہ ویجمعہ فلم یخرج حتی جمعہ کلہ فکتبہ علی تنزیلہ والناسخ والمنسوخ۔

"جب امیرالمومنینؑ نے لوگون کی بے اعتنائی کا مشاہدہ کیا تو اپنے گھر مین گوشہ نشینی اختیار فرمائی اور قرآن مجید کی جمع و تالیف مین مشغول ہو گئے اور اُسوقت تک گھر سے باہر تشریف نہ لائے جب تک کہ اُسکو پورا جمع نہ کر لیا اور اُسکو ترتیب نزول کے مطابق ناسخ و منسوخ کے ساتھ تحریر کیا۔"

اِسی کے مطابق محمد بن سیرین کی روایت تاریخ الخلفا سیوطی مین بھی موجود ہے جہان تک میرا خیال ہے ترتیب نزول کے مطابق مرتب ہونا قرآن کا خود ایک حد تک ناسخ و منسوخ کی تعیین کا ذمہ دار ہے اسلئے کہ مقدم کا مؤخر اور موخر کا مقدم ہو جانے کی صورت مین یقیناً اگر خارجی روایات سے معلوم نہ ہو تو ناسخ و منسوخ مین اشتباہ ہو جانا ناگزیر ہے۔ مثلاً یہی کہ جب انسان قرآن مین تعیین عدۂ وفات کی آیت اربعۃ اشھر وعشرا کو پہلے اور متاعا الی الحول والی آیت کو بعد دیکھ رہا ہے تو کیون نہ یہ سمجھیگا کہ ایک سال مقرر کرنے والی آیت ناسخ اور چار مہینہ دس دن کی آیت منسوخ ہے۔

لیکن اسکے ساتھ ممکن ہے کہ جناب امیرؑ کے قرآن مین تفسیری حواشی کے طور پر ناسخ و منسوخ کی تعیین بھی کردی گئی ہو اور اسی لئے محمد بن سیرین نے کہا ہے کہ لو اصیب ذالک الکتاب کان فیہ العلم" اگر وہ قرآن لوگون کے ہاتھ مین پڑ جاتا تو ایک بڑا علمی ذخیرہ دستیاب ہوتا (تاریخ الخلفاء صـ ۱۸۴)

دوسری قسم

وہ احادیث جنسے قرآن موجود مین اجمالی طور پر کمی پائی جانے کا پتہ چلتا ہو مثلاً عن علی بن الحکم عن ہشام بن سالم قال سألت ابا عبد اللہ علیہ السلام عن سورۃ الاحزاب فقال کانت مثل سورۃ البقرۃ مثلہا و مثل ثلثیہا۔

ہشام بن سالم نے امام جعفر صادقؑ کا ارشاد نقل کیا ہی کہ سورۂ احزاب بقرہ کا اتنا اور اتنا نہین تو اس کے دو ثلث کے برابر تھا۔

(۲) عن القسم بن الایادی عنہ صلوات اللہ علیہ قال کانت سورۃ الاحزاب سبعمائۃ آیۃ۔

ارشاد ہوا ہے کہ سورۂ احزاب مین سات سو آیتین تھین۔

(۳) عن سماعۃ عن ابی بصیر قال قلت لابی جعفر علیہ السلام ان الناس یقولون قد ذہب من سورۃ الاحزاب شیٔ کثیر قال سبحان اللہ ما ذہب نفیہ قلت این ہو قال ہو واللہ عندنا۔

ابو بصیر کا بیان ہی کہ مین نے امام محمد باقرؑ کی خدمت مین عرض

کیا لوگ کہتے ہیں کہ سورہ احزاب میں سے کثیر حصہ تلف ہو گیا آپ نے فرمایا جو حصہ تلف شدہ کہا جاتا ہی وہ موجود ہے۔ میں نے کہا کہاں؟ فرمایا ہمارے پاس۔ ان روایات کے بالکل مطابق حضرت ام المومنین عائشہ کا بیان اتقان سیوطی سے سابق میں درج ہو چکا ہے اور اسکے متعلق کافی روشنی ڈالی جا چکی ہے۔ لیکن احمد بن محمد سیاری جنکی کتاب ان احادیث کا ماخذ ہے انکے متعلق شیخ الطائفہ نے فہرست میں لکھا ہے ضعیف الحدیث فاسد المذہب مجفو الروایۃ کثیر المراسیل۔ اور علامہ نے فرمایا ہے کثیر المراسیل اور نجاشی نے بھی کہا ہے فاسد المذہب اور کشی کی روایت ہے کہ امام محمد تقیؑ نے اس شخص پر اظہار بے اعتمادی کیا تھا۔ فاسد المذہب کی لفظ سے صاف ظاہر ہے کہ یہ شخص مذہبی حیثیت سے فرقہ شیعہ سے تعلق نہ رکھتا تھا اسلئے اُسکے روایات کی ذمہ داری ہم پر عائد کرنا کیا معنی رکھتا ہے۔

(۴) عن محمد بن یحیی عن احمد بن محمد عن علی بن الحکم عن ھشام بن سالم عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ان القرآن الذی جاء بہ جبرئیل الی محمد صلے اللہ علیہ والہ سبعۃ عشر الف آیۃ۔

امام جعفر صادقؑ کا ارشاد ہے کہ وہ قرآن جو رسالت مآبؐ پر نازل ہوا تھا اُس میں ستر ہزار آیتیں تھیں۔ اس روایت کو بیشک کلینیؒ نے کافی میں درج کیا ہے لیکن سلسلۂ سند ذکر کر کے ذمہ داری کو اپنے اوپر سے ہٹا دیا ہے اور باخبر مطالعہ کرنے والے کے لئے تحقیق رجال کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔

اس روایت کا استناد بھی احمد بن محمد سیاری کی جانب ہے جنکے متعلق اسکے قبل روشنی ڈالی جاچکی ہے اور پھر خود سیاری کی کتاب مین محدث نوری کے بیان کے مطابق عشرۃ الف آیۃ یعنے دس ہزار آیتون کا ذکر ہے اور کافی کے بعض نسخ مین سبعۃ آلاف یعنی صرف سات ہزار آیتین ہین اور ملا محسن فیض کاشانی نے وافی مین جو اس حدیث کو اصول کافی سے نقل کیا ہے تو اس مین یہ لفظ سبعۃ آلاف ہی درج ہے اس اختلاف نسخ اور اضطراب متن کے باوجود کہان وثوق ہو سکتا ہے کہ امام علیہ السلام نے کیا تعداد بتلائی تھی۔

اور پھر روایت سے صریحی طور پر نقص ثابت بھی نہین ہوتا اسلئے کہ آیات کی تحدید فواصل کے اعتبار سے مقرر کی گئی ہے اور وسط آیات مین اکثر مقامات پر وقف لازم اور وقف جائز وغیرہ کے علامات مختلف صورتون مین پائے جاتے ہین جو قراء کے اختلافات کا نتیجہ ہین اور جبکہ قراء سب ایک نقطہ پر مجتمع بھی نہین ہین تو کیا نہین ممکن کہ فواصل کی شناخت اور ابتداء وانتہام کی تعیین مین فروگذاشت ہوئی ہو اور اس لحاظ سے آیات کی تعداد مین اختلاف پیدا ہو جائے اور یہی اس روایت کا مفاد ہو۔

تیسری قسم وہ روایات جنسے خاص خاص آیات مین بعض مخصوص الفاظ کی تغیر و تبدیل اور کمی کا پتہ چلتا ہے جنھین محدث نوری نے فصل الخطاب مین سلسلہ وار درج کیا ہے اور انھین سے اکثر اگرچہ سیاری کے

روایات ہین جو انھون نے اپنی کتاب القراءات مین جس کا دوسرا نام التنزیل والتحریف ہے درج کئے ہین اور در حقیقت محدث نوری کو فصل الخطاب لکھنے کا زیادہ شوق اسی کتاب کو دیکھکر پیدا ہوا تھا اس لئے کہ اس کتاب کا موضوع ہی شروع سے آخر تک یہی ہے اور سیاری کے درجۂ اعتبار کی حقیقت اسکے قبل کھل چکی ہے لیکن اِن روایات مین ایسے بھی احادیث ہین کہ جو دیگر جوامع حدیث مین مختلف طرق و اسانید سے مذکور ہین۔

ان روایات مین اکثر ایسے اختلافات کا پتہ ہے جو صرف الفاظ کے طریق استعمال سے تعلق رکھتے ہین اور جنسے معنی پر کوئی اثر نہین پڑتا اور اُنکی اہمیت اُس اختلاف سے زیادہ نہین ہے کہ جو قراء سبعہ کی ساتون مشہور قراتون مین عام کتب تفسیر و قرات مین مذکور ہے مثلاً

صراط الذین انعمت علیهم کے بجائے صراط من نعمت علیهم

ولا الضالین	وغیر الضالین
اهدنا الصراط المستقیم	اهدنا السراط المستقیم
مالک یوم الدین۔	ملک یوم الدین۔

اور بعض روایات وہ ہین کہ جنمین مختلف آیات قرآن مین بعض الفاظ کے کم ہونے کا پتہ دیا گیا ہے جیسے۔

وان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا (فی علی) فاتوا بسورة

من مثلہ فبدل الذین ظلموا (آل محمد حقہم) قولا غیر الذی قیل لہم فانزلنا علی الذین ظلموا (آل محمد حقہم) رجزا۔

بئسما اشتروا بہ انفسہم ان یکفروا بما انزل اللّٰہ (فی علی) بغیا۔

واذا قیل لہم آمنوا بما انزل اللّٰہ (فی علی) قالوا نؤمن بما انزل علینا

وغیرہ ان روایات کے متعلق اکثر محققین کا یہ خیال ہے کہ اس قسم کے الفاظ تفسیر وتاویل کے طور پر تھے جو بیان مراد کے لئے جبرئیل امین کے توسط سے جناب رسالت مآبؐ تک پہونچائے جاتے تھے اور رسالت مآبؐ کی طرف سے اگرچہ موقع بہ موقع انکے مفاد کا اظہار ہو جایا کرتا تھا لیکن تعلیم قرآن مین عام طور پر صحابہ کو ان تفاسیر کے بتلانے کی ضرورت نہ تھی اور وہ حضرتؐ کے پاس اور حضرت کے بعد اُنکے وارث علم کے پاس محفوظ تھے۔ امیر المومنینؑ نے جو قرآن جمع کیا تھا وہ اُن بیانات کو بھی اپنے اندر لئے ہوئے تھا جو تفسیری حواشی کے طور پر درج کئے گئے تھے اور اسکی تصدیق اُس روایت سے ہوتی ہے جو احتجاج طبرسی مین حضرت امیر المومنینؑ کی زبانی ایک زندیق کے جواب مین وارد ہوئی ہے اُس مین حضرت نے فرمایا ہے۔

ولقد جئتہم بالکتاب کملا مشتملا علی التاویل والتنزیل والمحکم والمتشابہ والناسخ والمنسوخ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ قرآن صرف متن قرآن پر مشتمل نہ تھا بلکہ اُس مین تاویل وتنزیل اور محکم اور متشابہ اور ناسخ

و منسوخ سب کا بیان مندرج تھا۔

جہاں تک میرا خیال ہے تنزیل سے بھی مراد متون الفاظ قرآن نہیں ہین بلکہ تنزیل سے مراد قرآن کا اصلی مورد نزول ہوا کرتا ہے یعنی وہ معنی جسکے ظاہر کرنے کے لئے خاص طور پر وہ آیت نازل ہوئی ہے اور تاویل اُسکے لوازم اور وہ موارد ہین جن پر تعمیمی حیثیت سے اُس آیت کا انطباق ہو یا باطنی طور پر اُنکی طرف اشارہ کیا گیا ہو اور اس کے ثبوت مین میرے پیش نظر اصول کافی کی حدیث طویل ہے جو "باب فیہ نکت و نتف من التنزیل فی الولایۃ" مین درج ہے جسمین سائل نے مختلف آیات قرآن کے معانی دریافت کئے ہین اور اکثر معانی کے بتلانے پر سائل نے دریافت کیا ہے کہ یہ تنزیل ہے یا تاویل اور حضرت نے کہین فرمایا ہے تنزیل ہے اور کہین تاویل۔

محمد بن الفضیل عن ابی الحسن الماضی قال سألته عن قول اللہ عزوجل یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواههم قال یریدون لیطفئوا ولایۃ امیرالمومنین بافواههم قلت واللہ متم نورہ قال واللہ متم الامامة لقوله عزوجل الذین امنوا باللہ ورسوله والنور الذی انزلنا فالنور هو الامام قلت هو الذی ارسل رسوله بالهدی ودین الحق قال هو الذی امر رسوله بالولایۃ لوصیه والولایۃ

هی دین الحق قلت لیظهرہ علی الدین کلہ قال یظهرہ علی جمیع الادیان عند قیام القائم قال یقول اللہ واللہ متم ولایۃ القائم ولو کرہ الکافرون بولایۃ علی قلت ھذا تنزیل قال نعم اما ھذا الحرف فتنزیل واما غیرہ فتاویل۔

محمد بن فضیل نے امام رضاؑ سے سوال کیا کہ اس آیت کے کیا معنی ہین یریدون لیطفئوا نور اللہ بافواھھم حضرت نے فرمایا یعنی یہ لوگ چاہتے ہین کہ ولایت امیرالمومنینؑ کو محو کر دین واللہ متم نورہ یعنے خدا امامت کے مسئلہ کو پورا کرنے والا ہے ھو الذی ارسل رسولہ بالھدی ودین الحق یعنی خدا نے اپنے رسول کو مامور کیا تبلیغ ولایت پر اور ولایت ہی دین حق ہے لیظهرہ علی الدین کلہ یعنی قیام حضرت حجت کے وقت وہ تمام ادیان پر غالب آ جائے گا۔

اور خداوند عالم نے یہ فرمایا ہے کہ خدا ولایت حضرت حجت کو تمام کریگا اگرچہ ولایت علی کے منکر اس کو پسند نہ کرین۔

سائل نے پوچھا کہ یہ جو آپ نے فرمایا تنزیل ہے؟ یعنی اصلی مورد نزول آیت ہے حضرت نے فرمایا ہان جو مین نے کہا وہ تنزیل ہے۔

اور اس کے علاوہ جو دوسری چیزین ہون وہ تاویل داخل ہین۔

پھر لما سمعنا الھدی اٰمنا کے متعلق ارشاد ہوا الھدی الولایۃ اٰمنا بمولانا فمن اٰمن بولایۃ مولاہ فلا یخاف بخسا ولا رھقا ہدی سے مراد ولایت ہے تو جو شخص اپنے مولا کی ولایت پر ایمان لایا اسکو کچھ خوف نہ کرنا چاہیے" سائل نے

پوچھا تنزیل" یہ تنزیل ہے؟ فرمایا لا تاویل" نہین یہ تاویل ہے اور اسی صورت پر حضرت نے بعض معانی کو تنزیل فرمایا ہے اور بعض کو تاویل یہان تک کہ سب کے آخرین جو بہت صریح ہے وہ یہ ہے کہ سائل نے پوچھا هذا الذی کنتم به تکذبون کے کیا معنی ہین؟ حضرت نے فرمایا یعنی امیرالمومنین اس سے مراد امیرالمومنین ہین۔ سائل نے پوچھا تنزیل" یہ تنزیل ہے؟ حضرت نے فرمایا ہان"

" یعنی امیرالمومنین" کی لفظ کے صاف یہ معنی ہین کہ امیرالمومنین کی لفظ جزو آیت نہین ہے بلکہ هذا الذی کی لفظ سے مراد و مقصود ہے اُس پر سائل کا یہ پوچھنا کہ یہ تنزیل ہے یا تاویل اور حضرت کا فرمانا تنزیل ہے اِسکی صاف دلیل ہے کہ تنزیل بھی معانی کے قبیل سے ہے نہ الفاظ سے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ تنزیل سے مراد وہ تفسیر ہو جو خداوند عالم کی جانب سے الفاظ قرآن کے ساتھ نازل ہوئی تھی اور تاویل وہ تفسیر ہے جو غیر نازل شدہ ہے لیکن الفاظ کی مراد اصلی ہے اور اس صورت مین یہ حدیث اُس دعوے کا صریحی شاہد ہوگا کہ قرآن مجید کے ساتھ بعض الفاظ شرح کے طور پر بھی نازل ہوے تھے کہ جو حقیقةً "متن قرآن کا جزو نہین لیکن منزل من اللہ ضرور تھے۔

اور جب تنزیل بھی تفسیر کے قبیل سے ہوگئی تو اب اُن روایات کے بھی معنی دوسری صورت پر ظاہر ہونگے جنمین یہ ہے کہ امیرالمومنینؑ نے قرآن کو اُسکی تنزیل پر جمع کیا جیسے سلمان کی روایت جسکو کتاب سلیم بن قیس ہلالی اور

احتجاج طبرسی مین نقل کیا گیا ہے اور اُس مین یہ ہے کہ فلکتبہ علی تنزیلہ والناسخ والمنسوخ ۔ اسکے بھی معنی یہ ہین کہ حضرت نے قرآن کو اُس تفسیر کے مطابق تحریر کیا جو حضرت اقدس الٰہی کی جانب سے الفاظ کے لئے بتوسط جبرئیل پہونچائی گئی تھی ۔

اور احتجاج کی سابق روایت سے یہ معلوم ہوا کہ اس مین تنزیل کے ساتھ تاویل بھی مذکور تھی اور درحقیقت اگر خود اُن الفاظ کی نوعیت پر نظر کی جائے جن کا اضافہ روایات مذکورہ مین آیات قرآن کے ساتھ کیا گیا ہے اور آیات کے موجودہ الفاظ کے ساتھ ان کے جوڑ کا لحاظ کیا جائے تو کچھ نوعیت بھی ان الفاظ م کی تفسیر ہی کی سی نظر آتی ہے اور ذوق و سلیقہ کے لحاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ جزو متن نہین ہین لطف یہ ہے کہ یہی روایت احتجاج کی جس مین امیرالمومنین ع والے قرآن کے تاویل و تنزیل دونون پر مشتمل ہونے کا تذکرہ ہے اُن اشخاص کا مایۂ ناز مستند ہے جو شیعون کے عقیدۂ تحریف کو رائی کا پہاڑ بنا کر پیش کرتے ہین حالانکہ جب اُس سے یہ امر ظاہر ہوگیا کہ امیرالمومنین ع کا قرآن متون الفاظ قرآن کے ساتھ تاویل تفسیر کے اوپر بھی مشتمل تھا تو اسکی کیا ذمہ داری ہے کہ اسمین جس قسم کے نقص و تغیر کا پتہ دیا گیا ہے وہ اصلی الفاظ قرآن سے تعلق رکھتا ہے؟ اور پھر جبکہ اُس مین دوسرے الفاظ بھی اسکے موید موجود ہین

درحقیقت روایت مذکورہ سے قطعی طور پر جو کچھ نکلتا ہے وہ دو چیزین ہین

• ایک تحریف معنوی یعنی معانی و تاویلات قرآن مین تغیر و تبدیل جو مختلف آیات قرآن مین ہمیشہ کی گئی اور کی جاتی ہے اور دوسرے ترتیب قرآن

کا بگڑنا یعنی ایک جگہ کی آیت کا دوسری جگہ ہونا چنانچہ ہم مخصوص طور پر اُن فقرات کی شرح درج کرتے ہین جنھین مخالف حلقون کی جانب سے بطور دلیل پیش کیا جا رہا ہے۔

پہلا فقرہ

ثم دفعهم الاضطرار بورود المسائل عما لا يعلمون تاويله الى جمعه وتاليفه وتضمينه من تلقائهم ما يقيمون به دعائم كفرهم فصرح مناديهم من كان عنده شيئ من القرآن فليأتنا به ووكلوا تاليفه ونظمه الى بعض من وافقهم الى معاداة اولياء الله فالفه على اختيارهم۔

"پھر (امیر المومنینؑ کے ترتیب دادہ قرآن کے واپس کرنے کے بعد) جب ایسے آیات کے متعلق سوالات پیدا ہوے جنکی تاویل سے وہ واقف نہ تھے تو اُنکو ضرورت پڑی کہ اُسکی جمع و تالیف کرین اور اُسکو اپنے دل سے ایسے معانی کا جامہ پہنائین جنکے ذریعہ سے اُنکی حق پوشی کے ستون قائم ہوتے ہین۔ اُسوقت اُنکے منادی نے آواز دی کہ جس کے پاس کوئی حصہ بھی قرآن کا ہو وہ لیکر ہمارے پاس آئے اور اُسکی تالیف و ترتیب کو بعض ایسے اشخاص کے سپرد کیا۔ جو دوستان خدا (اہلبیت) کی مخالفت مین اُنکے موافق تھے اور انھون نے اُسکو اپنی صوابدید کے مطابق مرتب کیا"

الفاظ قرآن کے حذف اور اسقاط اور تغیر و تبدیل کیساتھ تاویل سی

ناواقفیت کو کوئی تعلق نہین ہے حالانکہ مذکورۂ بالا عبارت مین اُس کاہش
کاوش کا سبب غیر معلوم التاویل آیات کے متعلق سوال پیدا ہونے کو قرار
دیا گیا ہے لہٰذا یقیناً تضمینہ من تلقاء ھم مایقیموں بہ دعائم کفرھم کے
معنی وہی ہین جنکو ہم نے ترجمہ مین ملحوظ رکھا ہے یعنے تضمینہ کی ضمیر کا مرجع
قرآن ہے جو الفاظ کے قبیل سے ہے اور مایقیموں کے اسم موصول سے
معنی مراد ہین اور مقصود یہ ہے کہ اُنھون نے الفاظ قرآن کو اپنے دل سے (اگرچہ
حقیقۃً وہ متضمن نہین ہین) ایسے ایسے معانی پر متضمن قرار دیا جنسے اُنکی حق
پوشی کے ستون محکم ہوتے ہین۔

اب کوئی بتلائے کہ اِسکو الفاظ قرآن مین زیادتی و کمی سے کیا
تعلق ہے؟

دوسرا فقرہ

ان الکنایۃ عن اسماء ذوی الجرائر العظیمۃ من المنافقین
لیست من فعلہ تعالیٰ وانھا من فعل المغیرین والمبدلین الذین جعلوا
القرآن عضین واعتاضوا الدنیا من الدین۔

بڑے بڑے جرم کرنیوالے منافقون کے نامون کو صرف کنایے کے
طور پر ذکر کرنا خدا کا کام نہین ہے (کیونکہ اُس نے تو تفسیری حواشی مین
اُنکے اسماء کو صاف طور پر ذکر کر دیا تھا) یہ تو اُن تغییر و تبدیل کرنیوالون کا
نتیجۂ کار ہے جنھون نے قرآن کو مبہم بنا دیا اور دنیا کو دین کے عوض مین حاصل کیا۔

کیا اس مین کوئی شبہ ہے کہ اگر وہ تفاسیر جو خداوند عالم نے آیات قرآن کے ساتھ بطور خود نازل کیے تھے آج محفوظ ہوئے تو قرآن فہمی کیلئے وہ روشنی بام آتی جس کے بعد شک و شبہ کا امکان نہ رہتا۔

تیسرا فقرہ "والذی بدا فی الکتاب من الازراء علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ من فریۃ الملحدین"۔ یہ جو کتاب الہی کے اندر بادی النظر مین رسالتمآب کے خلاف شان باتین نظر آتی ہین یہ صحیح راستہ سے ہٹ جانے والون کی تراش کا نتیجہ ہین کہ انھون نے صحیح تاویلات کو چھوڑ کر نئے نئے معانی اپنے دل سے تراش لیے

چوتھا فقرہ "واما ظہورک علی تناکر قولہ فان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم من النساء ولیس یشبہ القسط فی الیتامی نکاح النساء فہو مما قدمت ذکرہ من اسقاط المنافقین من القرآن وبین القول فی الیتامی وبین نکاح النساء من الخطاب والقصص اکثر من ثلث القرآن وھذا وما اشبھہ مما ظہرت حوادث المنافقین فیہ لاھل النظر والتامل ووجد المعطلون واھل الملل المخالفین للاسلام مساغا الی القدح فی القرآن"۔

آیت قرآن "فان خفتم الا تقسطوا فی الیتامی فانکحوا ما طاب لکم" کے متعلق جو اعتراض ہے اسکا منشا درحقیقت ظاہردار افراد کا درمیان کی آیتون کو ہٹا دینا ہے۔ اور یتامی والے فقرہ اور نکاح نساء کے درمیان مین ثلث قرآن سے زیادہ خطاب و قصص وغیرہ تھے۔ اور یہی اور اسکی ایسی

دوسری چیزین وہ ہین جنمین اِن لوگون کی کارستانی اہل نظر و فکر کو معلوم ہوتی ہی
اور اُسکی وجہ سے مخالفین اسلام کو قرآن مجید پر اعتراض کا موقع ملتا ہی"
اب تبلاؤ کہ متفرق پرزون اور پتھر کے ٹکڑون مین سے اگر دو فقرے
ایسے ملے جنمین سے درحقیقت ایک اول قرآن کا اور ایک آخر قرآن کا تھا
لیکن ناواقفیت کی جہت سے اُنکو ملا کر درج کر دیا گیا تو کیا یہ کہنا صحیح نہین ہی
کہ ان دونون مین پورے تیس پارون کا فاصلہ تھا اور وہ فاصلہ ان کے
درمیان مین سے ساقط کر دیا گیا؟ کیا اسکے معنی یہ ہونگے کہ وہ تیس پارے
اب کہین ہین ہی نہین اور ناقص ہو گئے ہین؟ ہرگز نہین بلکہ وہ پارے
اسکے قبل اور بعد متفرق طور پر درج کئے گئے ہین۔ لیکن ترتیب کی خرابی
سے اُن دو آیتون کا افتراق اتصال سے بدل گیا، پھر امام کا یہ فرمانا
کہ ان دونون آیتون مین ثلث قرآن سے زیادہ کا فاصلہ تھا اور وہ فاصلہ
اب ساقط ہو گیا کیونکر اس امر کی دلیل ہوگا کہ وہ ثلث قرآن قرآن
کے اندر ہی سے حذف ہو گیا اور اب موجود نہین ہے۔ بلکہ وہ ممکن ہے
کہ دوسرے مقامات پر متفرق طور سے موجود ہو۔ درحقیقت اس فقرہ سے
سوائے اختلاف ترتیب کے کوئی نتیجہ نکالا نہین جا سکتا۔

ترتیب کے اختلاف ہی کی بدولت نقص و زیادتی کا اطلاق
بھی قرآن مین صحیح ہو جاتا ہے اسلئے کہ جس مقام کی آیت ہٹا کر دوسرے

مقام پر منتقل کیجائیگی وہ پہلے مقام سے ناقص اور دوسرے مقام پر زائد ہوگی اور اس طرح۔

پانچوان فقرہ

بھی حل ہو جاتا ہے کہ زاد وافیہ ما ظہر تناکرہ وتنافرہ (وہ اُس مین (موقع بموقع) ایسے جملہ زیادہ ہو گئے جنکی اجنبیت (اُس مقام سے جہان وہ بڑھا دیئے گئے ہین) اور مغایرت (اُسی مقام سے) ظاہر ہے۔

اِن تشریحات کے ساتھ ہمین اس روایت کے تسلیم کرنے مین کوئی عذر نہین ہے والا قرآن مجید مین زیادتی کا قول جو ظاہر بین افراد کو اس روایت سے سمجھہ مین آتا ہے وہ سلف وخلف کے متفقہ اقوال اور اجماع امامیہ کے خلاف ہے اور یہی اُس روایت کے ناقابل اعتبار سمجھے جانے کا کافی مستند ہے اور پھر درصورتیکہ اُسکی کوئی اطمینان بخش کیسی غیر اطمینان بخش سند بھی نہین ہے یعنے علامہ طبرسی نے اسکو بغیر کسی اسناد کے مرسل طور پر نقل کیا ہے۔

رہ گیا اُن کا دیباچہ مین یہ کہدینا کہ مین اُن روایات کو نقل کرونگا جو میری نظر مین مستند اور قابل وثوق ہین" یہ کسی صورت سے اُس روایت کے اعتبار کی دلیل نہین ہو سکتا اس لئے کہ اونکی نظر مین کسی روایت کا قابل اعتبار ہونا اُسکو محققانہ میزان پر قابل اعتبار نہ بنا دیگا ورنہ تحقیق رجال

اور علم درایت در روایت کا دروازہ بالکل بند ہو جاتا اور علما کے روایات تحقیق رجال سے مستغنی سمجھے جاتے حالانکہ تحقیق شیوہ علمائے شیعہ نے تو اصول کافی کے احادیث کو بھی جرح و تعدیل کے موازنہ سے بلند نہین قرار دیا ہے اور وہ اُنکی روایت کو بھی بغیر تحقیق قبول نہین کر لیتے پھر احتجاج طبرسی کی روایت کا جو بغیر کسی سند کے ہو کیا وزن سمجھا جاسکتا ہو؟؟!

چوتھی قسم

وہ روایات جنمین اجمالی طور سے تحریف کا پتہ دیا گیا ہے لیکن تحریف کی نوعیت اُن سے ظاہر ہو جاتی ہے جیسے احتجاج کی روایت جو ابوذر غفاری رض سے منقول ہو انکا بیان ہے کہ جناب رسالت مآبؐ کے انتقال کے بعد امیرالمومنینؑ نے قرآن جمع کیا اور مہاجرین و انصار کے مجمع مین لاکر پیش کیا فلما فتحہ ابو بکر خرج فی اوّل صفحۃ فتحہا فضائح القوم فوثب عمر وقال یا علی اردد ہ فلا حاجۃ لنا فیہ فاخذہ علی علیہ السلام وانصرف ثم احضر زید بن ثابت وکان قاریا للقران فقال لہ عمر ان علیاً جاء نا بالقران وفیہ فضائح المہاجرین والانصار وقد رأینا ان نؤلف القران ونسقط منہ ما کان فضیحۃ وھتکا للمہاجرین والانصار فاجابہ زید الی ذلک حضرت ابو بکر نے جو اُس کو کھولا تو سب سے پہلے وہی مقام نکلا جہان فضائح قوم مذکور تھے۔ پس حضرت عمر نے آگے بڑھکر کہا کہ یا علی اس کو آپ واپس لیجائیے ہم کو اسکی ضرورت نہین ہے۔ یہ سنکر حضرت علیؑ

نے اُسکو لے لیا اور واپس گئے - پھر حضرت ابو بکر نے زید بن ثابت کو بلوایا اور حضرت عمر نے اُن سے کہا کہ علی ہمارے پاس قرآن لائے تھے جس مین بہت سے مہاجرین و انصار کی نسبت رسوا کُن باتین ہین - اب ہماری رائے قائم ہوئی ہے کہ ہم خود قرآن کو جمع کرین اور اُس مین جو کچھ مہاجرین و انصار کے معائب ہون اُنکو حذف کر دین - زید نے اُنکے حکم کو منظور کیا -

(۲) عن العیاشی عن الصادق علیہ السلام لو قرأ القرآن کما انزل لا لفیتمو نا فیہ مسمّین" اگر قرآن اس طرح پڑھا جاتا جس طرح نازل ہوا تھا تو تم ہمارے اسماء اُس مین مذکور پاتے -

(۳) عن النعمانی عن امیر المومنین علیہ السلام کانی بالعجم فساطیطھم فی مسجد الکوفۃ یعلّمون الناس القرآن کما انزل قلت یا امیر المومنین الیس ھو کما انزل فقال لا محی منہ سبعون من قریش

نعمانی نے امیر المومنین ؑ سے نقل کیا ہے کہ گویا مین (زمانہ حضرت حجت مین) عجمیون کے خیمے مسجد کوفہ مین دیکھ رہا ہون کہ وہ لوگون کو قرآن کی تعلیم اس صورت پر دے رہے ہین جس طرح وہ نازل ہوا تھا - راوی نے عرض کیا یا امیر المومنین کیا وہ صورت نزول پر نہین ہے - فرمایا نہین اُس مین سے ستر آدمیون کے قریش مین سے نام نکالدیئے گئے ہین "

اور اسی قبیل کے روایات جنمین سے اکثر مراسیل اور ضعاف ہین لیکن

تعدد و تکثر کی بنا پر انکے اجمالی مفاد کا ثابت ہو جانا بعید نہین ہے کہ کہین کہین پر سے ایسے اسماء و تصریحات جو سیاست وقت کے خلاف تھے حذف و اسقاط کی نذر ہوئے لیکن ان روایات مین بھی اس امر کی کوئی ضمانت نہین ہے کہ وہ تصریحات متن قرآن کا جزو تھے بلکہ یہ توجیہ کہ وہ تصریحات معنائے تنزیلی کے قبیل سے تھے ان روایات مین بھی کافی گنجایش رکھتی ہے۔

علماء مین اتفاق و اختلاف

قرآن مجید کے متعلق دو جزو ایسے ہین جو علمائے شیعہ مین نقطۂ اتفاق ہین۔ ایک یہ کہ قرآن مجید مین زیادتی نہین ہوئی ہے اور موجودہ قرآن کلام الٰہی اور وحی آسمانی ہے۔ دوسرے یہ کہ قرآن کی ترتیب اصلی سلسلۂ نزول کے مطابق نہین ہے اور اس مین تقدیم و تاخیر ہوئی ہے لیکن اسکے بعد کسی اور قسم کی تحریف کے متعلق علماء کا نقطۂ خیال مختلف ہو گیا ہے۔

بہت سے بڑے علماء اور رؤسائے ملت تحریف کے بالکل منکر ہین اور قرآن موجود مین کسی جزو کے بھی اسقاط اور تغیر و تبدیل کو تسلیم نہین کرتے جنمین سے بعض اکابر کے اسماء درج ذیل ہین۔

(۱) حافظ الاخبار شیخ صدوق محمد بن علی بن بابویہ قمی علیہ الرحمہ اپنے اعتقادات مین تحریر فرماتے ہین۔

اعتقادنا ان القرآن الذی انزله الله تعالیٰ علی نبیه محمد صلی الله علیه و اله و سلم هو ما بین الدفتین و هو ما فی ایدی الناس لیس باکثر من ذلک ...... و من نسب الینا انا نقول انه اکثر من ذلک فهو کاذب۔

ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ قرآن جسکو خدا نے اپنے نبی محمدؐ پر نازل کیا تھا وہ یہی ہے کہ جو موجود اور لوگون کے ہاتھ مین متداول ہے اور وہ اس سے زیادہ نہ تھا... اور جو شخص ہماری طرف یہ نسبت دے کہ ہم قرآن کو موجودہ مقدار سے زیادہ کہتے ہین غلط گو ہے۔"

(۲) سید مرتضیٰ علم الہدیٰ علیہ الرحمہ نے مسائل طرابلسیہ مین تحریف قرآن کا انکار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ تحریف قرآن کا قول ایک جماعت کی طرف ناقلین حدیث مین سے منسوب ہے جنھون نے اخبار ضعیفہ نقل کرکے خیال کیا ہے کہ وہ صحیح ہین لیکن یہ اخبار اُن یقینی و غیر مشکوک وجوہ کا مقابلہ نہین کرسکتے جو ہمارے قول کی صحت کو بتلاتے ہین۔

(۳) شیخ الطائفہ محمد بن الحسن طوسیؒ اپنی عظیم الشان تفسیر تبیان مین تحریر فرماتے ہین۔

اما الکلام فی زیادته و نقصانه یعنی القرآن فمما لا یلیق به لان الزیادة فیه مجمع علی بطلانه و النقصان منه فالظاهر ایضا

من مذهب المسلمین خلافه وهو الالیق بالصحیح من مذهبنا کما نصرہ المرتضی و هو الظاهر من الروایات ۔

قرآن مجید کے متعلق زیادتی و نقصان کی بات کا زبان سے نکالنا مناسب نہین ہے اس لئے کہ زیادتی کے تو بطلان پر اجماع ہے اور نقصان کے متعلق بھی عام مسلمانون کے مذہب کا ظاہر یہی ہے کہ نقصان نہین ہوا ہے اور ہماری جماعت شیعہ کا بھی صحیح مذہب یہی کہا جا سکتا ہے جس کو سید مرتضیٰ رح نے تقویت دی ہے اور وہ ائمہ ع کے روایات سے بھی ظاہر ہوتا ہے ۔

(۴) امین الاسلام شیخ ابو علی طبرسی تفسیر مجمع البیان مین لکھتے ہین ۔

اما الزیادة فیه فمجمع علی بطلانه و اما النقصان فیه فقد روی جماعة من اصحابنا و قوم من حشویة العامة ان فی القران تغیرا و نقصانا و الصحیح من مذهب اصحابنا خلافه و هو الذی نصرہ المرتضے قدس الله روحه ۔

قرآن مین زیادتی کا ہونا تو باجماع باطل ہے اور کمی کے متعلق کچھ شیعہ و سنی محدثین نے روایات نقل کر دیے ہین کہ اس قرآن مین کچھ تغیر و تبدیل اور نقصان ہوا ہی لیکن ہمارے علما مین جو صحیح مذہب ہے وہ اسکے خلاف ہے اور یہی وہ ہے جسکو سید مرتضیٰ رح نے ثابت کیا ہے ۔

(۵) فاضل تونی ملا عبد اللہ بشر بنی خراسانی شرح وافیہ مطبوعہ لکھنؤ صلہ ۵۲-۵۳ مین لکھتے ہین قد وقع الخلاف فی تغییرہ فقیل ان فیه زیادة و نقصانا و به روایات

کثیرۃ رواھا الکلینی وعلی بن ابراھیم فی تفسیرہ والمشھور انہ محفوظ ومضبوط کما انزل لم یتبدل ولم یتغیر حفظہ الحکیم الخبیر۔

قرآن مجید مین تغیر وتبدیل واقع ہونیکے متعلق اختلاف ہوا ہے بعض نے کہا ہے کہ اسمین کچھ الفاظ کی کمی زیادتی ہوئی ہے اور اس کے متعلق بہت سی روایتین بھی وارد ہوئی ہین جنکو کلینی وعلی بن ابراہیم نے درج کیا ہے لیکن مشہور بین العلماء یہ ہے کہ وہ جتنا نازل ہوا تھا اُتنا ہی محفوظ ومضبوط ہے اور اُس مین تغیر وتبدل نہین ہوئی۔ خدا نے اُسکی حفاظت فرمائی ہے۔

(۶) علامہ محمد حسن آشتیانی رح بحر الفوائد فی شرح الفرائد مطبوعہ ایران صہ ۹۹ مین لکھتے ہین المشھور بین المجتھدین والاصولیین بل اکثر المحدثین عدم وقوع التغییر مطلقا بل ادعی غیر واحد الاجماع علی ذلک سیما بالنسبۃ الی الزیادۃ۔

قول مشہور مجتہدین اور اصولیین بلکہ اکثر محدثین کے درمیان مین بھی یہی ہے کہ قرآن مین تغیر وتبدیل بالکل نہین ہوئی ہے بلکہ متعدد حضرات نے اس پر اجماع کا دعوی کیا ہے خصوصًا زیادتی کے متعلق"

اسکے بعد طرفین کے ادلہ نقل کرنے کے بعد خود محاکمہ فرماتے ہوے لکھا ہے الاخبار الدالۃ بظاھرھا علی حدوث التغییر وان کانت کثیرۃ الا ان اکثرھا الا ماشذ ضعیفۃ السند ویمکن دعوی تواترھا

فلا یقدح ضعف السند فیہا لکن الانصاف عدم نصوصیتہا فیما ذکرہ الاخباریون وقوۃ احتمال ارادۃ ما عرفتہ من وجوہ المعانی فیہا۔

وہ اخبار جو ظاہری طور پر تغییر کے وقوع کو تبلاتے ہین وہ بہت ہین مگر وہ سوائے شاذ و نادر کے اکثر ضعیف السند ہین۔ ان اُنکے تواتر کا ادعا کرکے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ضعف سند مین کوئی مضائقہ نہین لیکن انصاف یہ ہے کہ وہ اخبار ین کے قول کو صریحی طور پر تبلاتے بھی نہین اور احتمال قوی ہے کہ اُن سے مراد وہی معانی ہون جو اُن اخبار کی تاویل مین ذکر کیے گئے ہین۔

یہ تو وہ عبارات ہین جو بحالت موجودہ ہمارے پیش نظر ہین۔ اسکے علاوہ شیخ مفید علیہ الرحمہ نے کتاب المقالات مین لکھا ہے۔

قد قال جماعۃ من اھل الامامۃ انہ لم ینقص من کلمۃ ولا من اٰیۃ ولا من سورۃ۔

"ایک جماعت نے امامیہ مین سے کہا ہے کہ قرآن مین سے کوئی سورہ کوئی آیت بلکہ کوئی کلمہ بھی کم نہین ہوا ہے" سید محسن اعرجی رح نے شرح وافیہ مین اور شیخ فتح اللہ کاشانی رح نے تفسیر منہج الصادقین مین بھی اس خیال پر زور دیا ہے۔

اِن حضرات کے خلاف کچھ علماء جن مین اکثر اخباریین اور بعض اصولیین داخل ہین مذکورۂ سابق روایات کی بنا پر اس امر کے قائل

ہو گئے ہین کہ قرآن مین کمی واقع ہوئی ہے اور محدث نوری نے تو اس موضوع پر مستقل کتاب لکھدی ہے جس کا نام "فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب" ہے لیکن اس کتاب کو عام طور پر علمائے شیعہ نے نظر قبول سے نہین دیکھا تھا چنانچہ آقا محمد مہدی موسوی کاظمی اپنی کتاب "احسن الودیعة فی تراجم علماء الشیعة" مطبوعہ بغداد صفحہ ۹ مین محدث نوری کے حالات اور اُنکے مصنفات کی فہرست لکھتے ہوئے رقمطراز ہین۔

فصل الخطاب فی تحریف کتاب رب الارباب طبع فی ایران علی الحجر بقطع امالی شیخنا الطوسی ولیته مالفه وقد کتب فی ردہ بعض العلماء رسالة شریفة بین فیها ماهو الحق وشنع علی المحدث النوری علماء زمانه

فصل الخطاب در اثبات تحریف کتاب ایران مین امالی شیخ طوسیؒ کی تقطیع پر طبع ہوئی ہے اور کاش انھون نے یہ کتاب نہ لکھی ہوتی اور اسی زمانہ مین بعض علمائے اُسکی رد مین ایک رسالۂ شریفہ تصنیف کیا تھا جس مین اس مسئلہ مین جو قول حق ہے اُسکو واضح کیا تھا اور محدث نوری پر اس کتاب کی وجہ سے اُنکے زمانہ کے علماء نے طعن و تشنیع کی۔"

اس صورتِ حال کے بعد فرقۂ شیعہ کی طرف متفقہ حیثیت سے

یہ نسبت دینا کہ وہ تحریف قرآن کا قائل ہے غلط ہے۔

قائلین تحریف کا ایمان بالقرآن

عام طور پر اس خیال کی نشر و اشاعت کی جاتی ہے کہ تحریف قرآن کا عقیدہ ایمان بالقرآن کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتا اس لئے کہ جس کتاب میں تغیر و تبدیل اور حذف و اسقاط عمل میں آگیا ہو وہ درجۂ اعتبار سے ساقط ہو گئی اور یہ حق باقی نہیں رہا کہ اُس پر ایمان کا دعویٰ کیا جائے لیکن یہ خیال حقائق مذہب اور احکام عقل سے ناواقفیت کا نتیجہ ہے۔

ہم نے "معیار حجیت یا سند اعتبار" کے تحت میں اس امر کی کافی توضیح کر دی ہے کہ تحریف کا اجمالی ثبوت جسکے اندر مخصوص موارد اور خاص نوعیت کی تعیین نہو بے شک تمام کتاب کو غیر معتبر بنانے کا سبب ہو سکتا ہے لیکن تحریف کا ثبوت اس طرح کہ اُسکے مقامات کی تعیین اور نوعیت کا علم ہو جائے موجودہ حصہ کے اعتبار پر کوئی اثر نہیں ڈال سکتا جبکہ موجودہ حصہ کے متعلق قطعی دلائل بھی موجود ہوں جو اُسکے حجیت و اعتبار کے ضامن ہیں۔

علمائے شیعہ میں سے وہ افراد جو مذکورہ سابق روایات کے ظاہری مفاد کی بناء پر موجودہ قرآن میں نقصان و تحریف کے قائل ہو گئے ہیں اُنکے عقیدۂ تحریف کی نوعیت یہی ہے۔

گزشتہ روایات کو اُن تمام اقسام کے ساتھ جنھین ہم نے ترتیب وار پیش کیا ہے اگر اسی اعتبار سے دیکھا جائے کہ اُن مین تحریف قرآن کا اظہار کیا گیا ہو تو اُن سے ثبوت تحریف کا اجمال ایک محدود دائرہ کی تفصیل پر منطبق ہو جاتا ہے جسکے بعد قرآن مجید پر عمل اور اُس سے احکام شرعیہ کے استفادہ مین کوئی رکاوٹ پیدا نہین ہوتی۔

ایک قسم کے روایات کا یہ مفاد کہ تحریف ہوئی ہے اور دوسری قسم مین اُسکی تشریح کہ یہان یہ نام تھا وہ ساقط ہوا اور وہان وہ نام تھا وہ حذف ہو گیا اور پھر تیسری قسم مین نوعیت تحریف کا بیان کہ اُس سے وہ جو اہلبیت کی خلافت اور اُنکے معاندین کی مخالفت مین صراحتین تھین جاتی رہی ہین اس سب کا مجموعہ موجودہ اجزائے قرآن اور اُن سے مستفاد شدہ احکام شرعیہ کی حقانیت و صداقت کو اُس تحریف کی زد سے الگ کر دیتا ہے۔

اب ذرا انصاف کی آنکھین کھولکر دیکھو کہ تحریف کے متعلق دو قسم کی روایتین ہین۔

ایک وہ جو اجمالی طور پر قرآن کے اندر تغییر و تحریف کا پتہ دیتی ہین

دوسری وہ جو تحریف کے موارد کو معین اور اسکی نوعیت کو واضح کر دیتی ہین

پہلی قسم کی روایتین اگر تنہا ہون تو قرآن کے ہر ہر جزو کو مشکوک بنا دیتی ہین

لیکن دوسری قسم کے روایات کا ضمیمہ بڑے حصہ کو قرآن کے تحریف سے علحدہ کر دیتا ہے۔

پہلے قسم کے روایات سنی وشیعہ دونوں کی کتابوں میں مذکور ہیں اور اہلسنت کے جوامع حدیث میں نمایاں طور پر انھیں جگہ دی گئی ہے جس کی تصدیق کے لیے اگر چاہو تو اسی کتاب کے وسطی حصہ کا چند ورق الٹ کر دوبارہ مطالعہ کر لو۔

لیکن دوسری قسم کے روایات کتب شیعہ سے مخصوص ہیں اور اُن کا پتہ اہلسنت کے جوامع حدیث میں نہیں ہے اب بتلاؤ کہ قرآن کے سند اعتبار کی حفاظت کس فریق نے کی اور ایمان بالقرآن کا دعویٰ کس کو زیادہ زیب ہے۔

درحقیقت شیعوں نے رسولؐ کے بعد ایک معصوم کے وجود کو تسلیم کر کے اپنے لیے یقینی طور پر مذہب پر کاربند ہونے کا اور حقایق ایمان پر اعتقاد رکھنے کا دروازہ کھلا رکھا ہے اور انھی ائمہ معصومین علیہم السلام کے بیانات وہ ہیں جو قرآن مجید کے متعلق ہر تاریک پردہ کو چاک کر کے اپنے برق پر تو ہدایات کا چراغ روشن کیے ہوئے ہیں۔

قرآن مجید کی حجیت و اعتبار کی قطعی دلیل

ائمہ اہلبیت علیہم السلام کے متفقہ اقوال

علمائے شیعہ و حفاظ ملت کے مستند کتب احادیث و جوامع اخبار میں ایسے احادیث کا بڑا ذخیرہ ہے جنسے موجودہ قرآن مجید کا اعتبار و استناد اور اُس کے

کلام الٰہی ہونے کا اعتقاد اور اُس پر عمل کا واجب لازم ہونا یقینی طور پر ثابت ہے لیکن اگر ہم اُن تمام احادیث کو درج کرنا چاہیں تو ہمارا یہ رسالہ ایک مبسوط کتاب کی شکل اختیار کرے گا جس کے لئے ہمیں وقت و فرصت کی کمی اجازت نہیں دیتی اور پھر جبکہ ہمارا رسالہ موجودہ حالت ہی میں اُس مقدار سے آگے بڑھ گیا ہے جس کا ہمارے دل میں قبل سے ارادہ تھا، لہٰذا ہم اس باب کو اُسی حد تک کہ جسکی بہت زیادہ ضرورت محسوس ہوگی وسعت دیکر ختم کر دیں گے۔ اور ناظرین کو بقیہ نظائر و امثال کے لئے کتب احادیث کے تتبع کی دعوت دیں گے۔

موجودہ قرآن کی متعلق حقیقی جامع قرآن امیر المومنینؑ کے اقوال

(۱) نہج البلاغہ مطبوعہ مصر ج ا ص ۲

کتاب اللّٰہ بین اظہرکم ناطق لا یعیی لسانہ و بیت لا تھدم ارکانہ و عز لا تھزم اعوانہ۔

"کتاب الٰہی تمہارے اندر موجود ہے وہ ایسا خطیب ہے جسکی زبان تھکنے والی نہیں اور ایسا قلعہ محکم ہے جسکے ستون منہدم ہونے والے نہیں اور ایسا نقطۂ عزت ہے جسکے طرفدار شکست کھانے والے نہیں"

(۲) ص ۳۰۲

علیکم بکتاب اللّٰہ فانہ الحبل المتین والنور المبین والشفاء النافع والری

الناقع والعصمة للمتمسك والنجاة للمتعلق لا یعوج فیقام ولا یزیغ فیستعتب ولا تخلقه کثرة الرد وولوج السمع من قال به صدق ومن عمل به سبق۔

دیکھو کتاب خدا (قرآن) پر عمل کرتے رہو اِس لئے کہ یہ (خدا کی) رسیمان محکم اور ضیائے روشن اور (امراض نفس کا) فائدہ پہونچانے والا درمان اور (تشنگان ہدایت کی) سیرابی کا سامان اور دامن تھامنے والے کے لئے بہترین محافظ اور وابستہ ہونیوالے کے لئے نجات کا ذریعہ ہے وہ کبھی کج ہونے والا نہیں کہ اسکو سیدھا کرنے کی ضرورت ہو اور نہ وہ صحیح راستہ سے مڑنے والا ہے کہ اُسے پلٹانے کا موقع پیش آئے۔ بار بار پڑھنا اور کانون مین گوش زد ہونا اُسکو کہنہ نہین کرتا جو اُسکے موافق بات کہے وہ سچا اور جو اُس پر عمل کرے وہ کامیاب ہے۔

(۳) ص ۲۴۷ اعلموا ان هذا القرآن هو الناصح الذی لا یغش والهادی الذی لا یضل والمحدث الذی لا یکذب ما جالس هذا القرآن احد الا قام عنه بزیادة او نقصان زیادة فی هدی او نقصان من عمی واعلموا انه لیس علی احد بعد القرآن من فاقة ولا لاحد قبل القرآن من غنی فاستشفوه من ادوائکم واستعینوا به علی لاوائکم فان فیه شفاء من اکبر الداء وهو الکفر والنفاق والغی والضلال فاسألوا الله به وتوجهوا الیه بحبه ولا تسألوا به خلقه انه ما توجه العباد الی الله بمثله واعلموا انه شافع مشفع وقائل مصدق وانه من شفع له القرآن یوم القیامة شفع فیه ومن محل به القرآن یوم القیامة

صدق علیه فانه ینادی منادٍ یوم القیامة الا ان کل حارث مبتلی فی حرثه وعاقبة عمله غیر حرثة القرآن فکونوا من حرثته واتباعه واستدلوه علی ربکم واستنصحوه علی انفسکم واتهموا علیه آراءکم واستغشوا فیه اهواءکم۔

یقین جانو کہ یہ قرآن وہ ناصح ہے جو دھوکا نہ دے اور وہ راہنما ہے جو کبھی گمراہ نہ کرے اور وہ بات کرنے والا ہے جو کبھی جھوٹ نہ بولے۔ کوئی اس قرآن کا ہمدم نہیں بنا۔ مگر یہ کہ اُس میں زیادتی پیدا ہوئی یا کمی، زیادتی ہدایت میں اور کمی ضلالت میں اور یقین جانو کہ قرآن کے ساتھ کسی کو احتیاج باقی نہیں رہ سکتی اور قرآن کے بغیر استغنا ناممکن۔ اس کو تم اپنے امراض کے لئے ذریعہ شفا اور اپنی مصیبت کے وقت پر مددگار قرار دو اس لئے کہ اِس میں سب سے بڑے مرض کی شفا موجود ہے جس کا نام ہے کفر اور نفاق اور کور باطنی و گمراہی، خدا سے اِس قرآن کے ذریعہ سے سوال کرو اور اِسی کی محبت کے ساتھ اُس کے بارگاہ کی طرف رخ کرو۔ لیکن اس قرآن کو مخلوق کے پاس رشوت ستانی کا ذریعہ نہ بناؤ۔ بے شک خدا کی بارگاہ میں اس سے بڑھ کر کوئی وسیلہ نہیں یقین جانو کہ یہ قرآن شفاعت کرنے والا اور اس کی شفاعت قبول کی جانے والی ہے۔ جس کی سفارش روز قیامت قرآن کردے گا۔ اُسکے متعلق سفارش منظور ہوگی اور جس کی شکایت روز قیامت قرآن کردے گا تو اُسکے خلاف اُسکی شکایت مسموع ہوگی۔ روز قیامت آواز دی جائے گی کہ ہر کاشتکار آج

اپنی کاشت کے حساب مین مبتلا ہوگا سوا اُس شخص کے جس نے کشت قرآن کو سرسبز کیا ہو۔ پھر کیون نہ تم سب لوگ کشت قرآن کے کارندے اور اتباع ہو جاؤ اور اس قرآن کو اپنے رب کی جانب اپنا رہنما قرار دو اور اپنے نفسون کے خلاف اُسکی نصیحتون کو قبول کرو اور اُسکے مطالب مین خود اپنے ذاتی خیالات پر بے اعتمادی کرو اور اپنے خواہشاتِ نفس کو خود فریبی سمجھو۔

(۴) صفحہ ۲۰۳

انه سیأتی علیکم من بعدی زمان لیس فیه شیئ اخفی من الحق ولا اظهر من الباطل ولا اکثر من الکذب علی الله ورسوله و لیس عند اهل ذلك الزمان سلعة ابور من الکتاب اذا تلی حق تلاوته ولا انفق منه اذا حرّف عن مواضعه ولا فی البلاد شیئ انکر من المعروف ولا اعرف من المنکر فقد نبذ الکتاب حملته وتناساه حفظته فالکتاب یومئذ واهله طریدان منفیان صاحبان مصطحبان فی طریق واحد لایؤ ویهما مؤو فالکتاب واهله فی ذلك الزمان فی الناس ولیسا فیهم ومعهم لان الضلالة لاتوافق الهدیٰ وان اجتمعا فاجتمع القوم علی الفرقة وافترقوا عن الجماعة کانهم ائمة الکتاب ولیس الکتاب امامهم فلم یبق عندهم منه الا اسمه ولا یعرفون الاخطه وزبره۔

"یقیناً میرے بعد ایک زمانہ آنے والا ہے جس مین کوئی شئے حق سے زیادہ مخفی اور باطل سے زیادہ ظاہر نہ ہوگی اُس زمانہ والون کے ....

نزدیک قرآن سے زیادہ کوئی چیز بے قیمت نہ ہوگی جب اُسکو حق تلاوت ادا کرتے ہوئے پڑھا جائے (یعنی اسکے صحیح معانی کے ساتھ اُسکے آیات کو پیش کیا جائے)

اور اُسی قرآن سے زیادہ کوئی شے رائج نہوگی جبکہ اُسکو اُسکے مقامات سے ہٹا دیا جائے (یعنے اسکے معانی مین آتش خراش کرکے اصلی مقاصد سے دور کردیا جائے) کوئی شے عالم مین معروف سے زیادہ منکر اور منکر سے زیادہ معروف نہوگی قران کو اُسکے حاملین نے پس پشت ڈالدیا ہوگا اور اُسکی حفظ کے دعویدار افراد نے اُسکو بھلا دیا ہوگا - اُس دن قرآن اور حقیقی اہل قرآن شہر بدر اور جلاوطن ہونگے، وہ دونون ایک دوسرے کے ہم نفس اور ہمدم ہونگے کہ اُن دونون کو کوئی پناہ دینے والا نہ ملتا ہوگا - قرآن اور اہل قرآن اُس وقت لوگونکے اندر ہونگے لیکن گویا وہ اُنکے اندر اور اُنکے ساتھ نہین ہین اس لئے کہ ضلالت ہدایت کے موافق نہین ہوسکتی اگرچہ ایک جگہ پر ہو - وہ لوگ افتراق پر مجتمع اور نقطۂ اجتماع سے متفرق ہونگے - گویا وہ خود قرآن کے رہنما ہین (کہ جدھر چاہین اُسکو پھیر لین) نہ یہ کہ قرآن انکا رہنما ہے - اُنکے پاس قرآن کا صرف نام باقی ہوگا اور وہ بس اُسکے

خط اور حروف کو پہچانتے ہونگے"۔

اس قسم کے واقعات کا اظہار درحقیقت تحذیر و تخویف کے طور پر کیا جاتا تھا اور غرض یہ تھی کہ لوگ اپنے طرز عمل کی نگرانی کرتے ہوئے اُسکو اپنے نتائج تک پہونچنے سے روکتے رہیں۔

اس سے یقیناً قرآن مجید پر عمل اور اُسکے اتباع کی اہمیت اور اُس کے صحیح معانی کے فہم مین تدبر کی ضرورت کا اندازہ ہوتا ہے اور اس فقرہ سے کہ کتاب و اہل کتاب اُسوقت لوگون کے ساتھ ہونگے مگر نہین اس لئے کہ حق و ضلال ایک ساتھ جمع نہین ہوتے" قرآن مجید کی حقانیت و صداقت پر تیز روشنی پڑتی ہے۔

آخری فقرہ کہ "لا یعرفون الا الخط" و زبرہ اس امر کی صریح دلیل ہے کہ تحریف سے مراد معنوی تراش و خراش ہے ورنہ الفاظ قرآن محفوظ ہونگے۔

احادیث کی صحت کا معیار قرآن ہے

ایسے احادیث جوامع حدیث مین اس کثرت سے ہین جس مین تواتر کا ادعا کیا جا سکتا ہے، جنکا مفاد یہ ہے کہ احادیث کی صحت و عدم صحت کا معیار قرآن مجید ہے۔ ایمن سے پانچ حدیثین تو اصول کافی ہی مین مذکور ہین

(۱) علی بن ابراهیم عن ابیه عن النوفلی عن السکونی عن ابی عبداللّٰه

قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وسلم ان علی کل حق حقیقة وعلی کل

صواب نورا فما وافق کتاب اللّٰه فخذوه وما خالف کتاب اللّٰه فدعوه

امام جعفر صادقؑ فرماتے ہیں کہ حضرت رسولؐ نے ارشاد کیا ہر حق کے لئے

حقیقت نا ملامات ہیں اور ہر واقعیت کے لئے روشنی ہے تو جو چیز کتاب خدا

کے موافق ہو اُس کو لے لو اور جو چیز کتاب خدا کے خلاف ہو اُس کو ترک کر دو

(۲) محمد بن یحیی عن عبداللّٰه بن محمد عن علی بن الحکم عن ابان بن

عثمان عن عبداللّٰه بن ابی یعفور قال وحدثنی حسین بن ابی العلاء انه حضر

ابن ابی یعفور فی هذا المجلس قال سألت اباعبداللّٰه عٔ عن اختلاف

الحدیث یرویه من نثق به ومن لا نثق به قال اذا ورد علیکم

حدیث فوجدتم له شاهدا من کتاب اللّٰه عزوجل او من قول رسول اللّٰه ص

والا فالذی جاءکم اولی به

امام جعفر صادقؑ سے دریافت کیا گیا کہ ہمارے سامنے مختلف احادیث

آتے ہیں جنمیں سے بعض کے راوی موثق اور بعض کے غیر موثق ہیں اور پھر

اُنکے مفاد میں اختلاف ہے (ایسی صورت میں کیا کرنا چاہیئے) حضرت نے فرمایا

جب تمہارے سامنے کوئی حدیث پیش ہو اور اُس کا کوئی شاہد کتاب خدا

یا سنت رسولؐ سے موجود ہو تو اُس پر عمل کرو۔ ورنہ جو شخص اُس روایت

کو نقل کر رہا ہے وہی اُس پر عمل کا زیادہ مستحق ہے۔

(۳) عدۃ من اصحابنا عن احمد بن محمد بن خالد عن ابیه عن النضر بن سوید عن یحیی الحلبی عن ایوب بن الحر قال سمعت اباعبداللہ علیہ السلام یقول کل شیئ مردود الی الکتاب والسنۃ وکل حدیث لایوافق کتاب اللہ فھو زخرف۔

امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ہر شے کتاب و سنت کی جانب راجع ہونا ضروری ہے اور جو حدیث کتاب خدا کے موافق نہو وہ بناوٹی ہے۔

(۴) محمد بن یحیی عن احمد بن محمد بن عیسی عن ابن فضال عن علی بن عقبۃ عن ایوب بن راشد عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال مالم یوافق من الحدیث القرآن فھو زخرف۔

"جو حدیث قرآن کے ساتھ مطابقت نہ رکھتی ہو وہ بناوٹی ہے"

(۵) محمد بن اسمٰعیل عن الفضل بن شاذان عن ابن ابی عمیر عن ھشام بن الحکم وغیرہ عن ابی عبداللہ علیہ السلام قال خطب النبی صلعم بمنی فقال ایھا الناس ماجاء کم یوافق کتاب اللہ فانا قلتہ وما جاء کم یخالف کتاب اللہ فلم اقلہ۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہین کہ رسالت مآب صلعم نے منی مین خطبہ ارشاد کیا اور اُس مین فرمایا کہ جو حدیث تمھارے سامنے ایسی پیش ہو کہ وہ کتاب خدا کے ساتھ موافق ہے تو وہ میرا قول ہوگا اور جو

حدیث ایسی آئے کہ وہ کتاب خدا کے مخالف ہے اُسکو سمجھنا کہ مین نے نہین کہا ہے"۔

دوسرے کتب اخبار مین ایسی ہی حدیثین اس سے زیادہ موجود ہین اور باوجود اختلاف مفاد کے ان سب کا متفقہ مضمون یہ ہے کہ قرآن احادیث کی جانچ کا معیار ہے ۔ اب اگر یہ قرآن کہ جو مسلمانون کے ہاتھ مین موجود ہے ائمہ معصومین علیہم السّلام کے نزدیک مصدق اور تسلیم شدہ نہوتا تو اسکو احادیث کی صحت وعدم صحت کا معیار قرار دینا صحیح نہ تھا۔ انہین سے وہ احادیث کہ جو جناب رسالتمآبؐ سے منقول ہین اُنکو بھی چونکہ ائمۂ اہلبیت علیہم السّلام نے معیار تبلائے ہوئے نقل کیا ہے اِس لئے اُنکی تطبیق بھی اسی قرآن پر ہے کہ جو عام ہاتھون مین موجود ہے۔

قرآن کی مخالفت کفر ہے

محمد بن اسمٰعیل عن الفضل بن شاذان عن ابن ابی عمیر عن بعض اصحابہ قال سمعت اباعبداللہ علیہ السلام یقول من خالف کتاب اللہ وسنۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فقد کفر۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص کتاب الٰہی اور سنت رسالت مآب ؐ کی مخالفت کرے وہ کافر ہے۔

قرآن نشان ہدایت ہے

(۱) محمد بن یحییٰ عن احمد بن محمد عن محمد بن احمد بن یحییٰ عن طلحۃ بن زید عن ابی عبداللہ ؑ قال ان ھذا القرآن فیہ منار الھدیٰ ومصابیح الدجیٰ فلیجل جال بصرہ ویفتح للضیاء نظرہ فان التفکر حیوۃ قلب البصیر کما یمشی المستنیر فی الظلمات بالنور۔

امام جعفر صادق ؑ نے فرمایا یقیناً یہ قرآن اس میں نشان ہیں ہدایت کے اور چراغ ہیں تاریکی ضلالت کے لئے، جس کو منظور ہو وہ اس سے اپنی بصیرت کو جلا دے اور اس کی روشنی کے لئے آنکھ کھول کر دیکھے کیونکہ غور و فکر کرنا انسان با بصیرت کے لئے سبب زندگی ہے جس طرح چراغ کی روشنی سے انسان تاریکی میں راستہ قطع کر لیتا ہے۔

(۲) علی بن ابراھیم عن محمد بن عیسیٰ عن یونس عن ابی جمیلۃ قال قال ابو عبداللہ ؑ کان فی وصیۃ امیر المومنین ؑ اصحابہ اعلموا ان القرآن ھدی النہار و نور اللیل المظلم علی ما کان من جھد وفاقۃ

"امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام اپنی وصیت میں اصحاب سے فرمایا کرتے تھے یقین جانو کہ یہ قرآن دن کو راہنما اور شب تاریک کی روشنی ہے جو سخت ترین ضرورت کے موقع پر بکار آمد ہے۔

قرآن جنت کا راہنما اور جہنم سے سدِّ راہ ہے

حمید بن زیاد عن الحسن بن محمد عن وھیب بن حفص عن ابی بصیر قال سمعت ابا عبداللہ ؑ یقول ان القرآن زاجر و آمر یأمر بالجنة و یزجر عن النار۔

امام جعفر صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ قرآن روکنے والا اور حکم دینے والا ہے، حکم دیتا ہے جنت کی طرف جانے کا اور روکتا ہے آتش جہنم میں جانے سے۔

اسکے علاوہ تلاوت قرآن کے فضائل، حامل قرآن کا درجہ، حفظ قرآن کا ثواب، تعلیم قرآن کی اہمیت، تدبر فی القرآن کا حکم یہ وہ ابواب ہیں جنمیں احادیث حد تواتر تک پہونچے ہوئے ہیں اور اصول کافی کا آخری حصہ اُن احادیث سے مملو ہے۔

پھر وہ مقامات جہاں ائمہ معصومین علیہم السلام نے احکام شرعیہ کے لئے آیات قرآن سے تمسک کر کے علمائے مذہب کو ظواہر القرآن سے

استفادۂ احکام کا سبق دیا ہے مثلاً عبد الاعلےٰ مولیٰ آل سام کے سوال پر کہ اگر انگلی مین زخم ہوا اور اُسکو کھول نہ سکتا ہو تو کیا کرے حضرت نے جبیرہ کا حکم دیا اور فرمایا کہ ھذا و امثالہ یعرف من کتاب اللّٰہ تعالیٰ ما جعل علیکم فی الدین من حرج۔

"یہ اور اس کی ایسی دوسری جو صورتین ہون اُنکا حکم تو اس آیت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ خداوند عالم نے تمھارے لئے دین مین عسر و حرج نہین قرار دیا ہے"

یا زُرارہ کے سوال پر کہ کہان سے ثابت ہوا مسح سر کے بعض حصہ پر ہے حضرت نے فرمایا لمکان الباءِ فی قولہٖ تعالیٰ وامسحوا برؤسکم یعنی اس لئے کہ خداوند عالم نے وامسحوا برؤسکم فرمایا ہے یہ نہین کہا کہ امسحوا رؤسکم

اِن تمام احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ ائمہ اہلبیت علیہم السلام نے موجودہ قرآن کو تسلیم کر لیا تھا اور وہ اِسکو کتاب الٰہی اور واجب العمل قرار دیتے تھے۔

اور پھر اواسط دولت بنی عباس مین خصوصاً امام جعفر صادق علیہ السلام اور امام رضا علیہ السلام کے عہد مین تقیہ کا شکنجہ ایسا نہ تھا جو ائمہ معصومینؑ کی زبان کو اظہار حقائق سے بالکل روکے رہتا۔ لیکن کسی ایک حدیث سے بھی اس کا پتہ نہین دیا جا سکتا کہ امام نے کبھی کسی صحابی کو اس

قرآن پر عمل کرنے سے اور اُس سے احکام کا استفادہ کرنے سے منع کیا ہو یا نماز یا غیر نماز مین اس قرآن کے علاوہ کسی قرآن کی تلاوت کی ہدایت کی ہو۔

امام ابو حنیفہ و قتادہ وغیرہ دیگر علمائے وقت کو پوری آزادی کے ساتھ امام علیہ السلام نے اپنی رائے پر عمل کرنے اور اپنے اجتہاد کے مطابق فتوے دینے سے منع کیا ہے لیکن اسکی وجہ یہی تبلائی گئی کہ تم محکم و متشابہ ناسخ و منسوخ تنزیل و تاویل کا علم نہین رکھتے اور قرآن کے مطالب کو وہی سمجھ سکتا ہے جس نے سینہ بسینہ اُسکے معانی و مطالب کو حاصل کیا ہو لیکن کبھی یہ نہین کہا گیا کہ یہ قرآن محرف ہے اس لئے اس سے استفادۂ احکام جائز نہین ہے۔

کیا ان تمام تصریحات اور ادلہ و شواہد کے بعد بھی یہ کہنا صحیح ہو سکتا ہے کہ ائمہ شیعہ سے اِس قرآن کے متعلق کوئی تصدیق بھی صادر نہین ہوئی ہے جو اِس کتاب الٰہی ہونے کی دلیل ہو؟

ائمہ علیہم السلام کے بعد اور زمانۂ غیبت مین فقہائے مذہب اور علمائے ملت نے بھی ہر زمانہ اور عصر مین اپنے قول و عمل سے موجودہ قرآن کی مذہبی اہمیت کو محفوظ رکھا۔

دیکھو فقہا کی کتابین خط مصحف کو بغیر طہارت چھونا جائز نہین،

سجدہ والے سورون کا جنب وغیرہ کے لئے پڑھنا حرام۔ عام سور قرآن کی آیتون کا پڑھنا اُن کے لئے مکروہ۔ کافر کی ملکیت قرآن کے لئے ناجائز۔ اگر وہ خرید لے تو مجبور کرنا اُسکو فروخت پر لازم۔ موجودہ قرآن کے علاوہ کسی جزو کو بحیثیت قرآن نماز مین پڑھنا حرام۔ نجاست کا پھونچانا قرآن کو گناہ کبیرہ۔ احادیث مین سے جو قرآن کے بالکل خلاف ہو وہ مسترد۔ تعارض اخبار کے وقت کسی عموم و اطلاق قرآن کے موافق ہونا وجہ ترجیح اور احکام شرعیہ کے ادلۂ اربعہ مین سے قرآن کا پہلا درجہ۔

اِسکے بعد بھی کیا اُن کا ایمان بالقرآن کسی دلیل برہان کا محتاج ہے؟

تمام بحث کا آخری نتیجہ

یا

میرا عقیدہ

موجودہ قرآن کلام الٰہی وحی آسمانی،

رسولؐ کا اعجاز اور مسلمانوں کے لئے واجب العمل
ہے۔ اُسکے کسی جزو یا کل کے مفاد کی مخالفت
مخالفت خدا ہے اور اُسکا اتباع ہر مسلمان کا
رکن مذہب اور اہم ترین فریضہ ہے۔ موجودہ
قرآن کے علاوہ نہ کسی سورہ کسی آیت کسی
حرف کا بھی جزو قرآن ہونا ثابت نہیں
ہے اور نہ اُس پر احکام قرآن مرتب
ہو سکتے ہیں۔

واللہ یحق الحق بکلماتہ

لکھنؤ۔

علی نقی النقوی عفی عنہ

جمادی الاولیٰ ۱۳۵۱ھ

اختتام طبع ثانی ماہ ذالحجہ ۱۳۵۱ھ

KBOPL
U491.4393 F27-
HU9092

حجج و بیّنات

اپنی نوعیت کی پہلی کتاب جو عالم اسلام میں ظاہر ہوئی ہے۔ سال گذشتہ عراق میں مشاہد مشرفہ ائمہ معصومین سلام اللہ علیہم سے جو حیرت انگیز مظاہر قدرت یعنی معجزات ظاہر ہوئے اُنکے مستند تفصیلی واقعات، ذاتی تحقیقات اور مستند ذرایع سے تصدیق شدہ معلومات حاصل کرکے ایک جا شایع کردیے گئے ہیں جو ارباب ایمان کیلئے بصیرت افروز اور تمام مذاہب و اقوام کے مقابل میں صداقت و حقانیت کی دلیل ہیں یہ کتاب بھی حضرت سید العلماء مولانا سید علی نقی صاحب قبلہ مجتہد العصر دام ظلہ کا نتیجہ قلم اور انہی کی ذاتی تحقیقات اور کاوش کا نتیجہ ہے جو کتاب کی ادبی منزلت اور استناد و اعتبار کی حیثیت کیلئے بہترین ضمانت ہے ۲۰×۲۶ کی تقطیع پر اعلیٰ کاغذ و طباعت کے ساتھ تیار ہے اور اسمیں متعدد شفا یافتہ افراد کے فوٹو بھی شامل ہیں جو کتاب کی دیدہ زیبی اور نیز اُسکے اعتبار و استناد میں اضافہ کا باعث ہوئے ہیں قیمت علاوہ محصولڈاک ۲ عہ ۱ ر

ملنے کا پتہ

سید ابن حسین آنریری سکرٹری امامیہ مشن حسین آباد۔ لکھنؤ

امامیہ مشن لکھنؤ کے تبلیغی کارنامے

	قیمت	خرچہ ڈاک
(۱) قاتلان حسینؑ کا مذہب (تیسرا ایڈیشن)	۴ر	۱ر
(۲) تحریف قرآن کی حقیقت (دوسرا ایڈیشن)	۶ر	۱ر
(۳) مولودِ کعبہ	۱ر	۰/
(۴) وجود حجت	۴ر	۱ر
(۵) اصولِ دین اور قرآن	۴ر	۱ر
(۶) اتحاد الفریقین	۴ر	۱ر
(۷) حسینؑ اور اسلام	۱ر	۰/
(۸) " " (انگریزی)	۲ر	۰/
(۹) " " (ہندی)	۱ر	۰/

ملنے کا پتہ

سکریٹری امامیہ مشن حسین آباد لکھنؤ

۲عہ
۸/
۲عہ
۱۵ر